2158

U16614 3-12-09.

Title — ARMUGHAAN AALAAM

Creator — Sayyed Mehmood

Publisher — Nizami Press (Badaun).

Date — 1949

Pages — 192

Subjects — Sayyed Mehmood - Sawaneh-o-Tanqee
Urdu Shayari - Intikhab-

ہندوستان کے مشہور سیاسی رہنما بہار کے وزیر ترقی،

ڈاکٹر سید محمود کی نجی بیاض،

جو

بزمانۂ قید فرنگ احمدنگر جیل میں مرتب ہوئی

ارمغان آلام

جس میں

اردو فارسی ہندی اور بعض عربی کے نہایت مفید و دلچسپ

اشعار کا انتخاب درج ہے

معہ

مقدمہ

مولانا عبدالمالک صاحب آروی

مطبوعہ

نظامی پریس بدایوں

پبلشر نظامی بک ایجنسی بدایوں
قیمت فی جلد عہ

پرنٹر و پبلشر محمد احیاالدین - ایف - آر - ایس - اے (لندن)

التماس پبلشر

بمصداق "فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ" ایک ادیب اور فاضل علم کا مشغلۂ بے شغلی بھی ادب نوازی و علمی موشگافیوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقی صوبہ بہار نے بزمانۂ قید فرنگ قلعۂ احمد نگر میں وقتاً فوقتاً اپنے جذبات و محسوسات سے ٹکراتے ہوئے شعرائے قدیم و جدید کے اشعار، مواعظ، لطائف اور بعض علمی نکات قلمبند فرمائے تھے۔ اُس وقت موصوف کا یہ خیال بھی نہ تھا کہ ان کی اشاعت کی جائے گی۔ لیکن سنہ ۱۹۴۶ء میں میں اور میرے والد بزرگوار مولنا نظامی بدایونی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے گئے اور والد مرحوم نے آپکی اس بیاض کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ جواہر علمیہ کے انمول موتی، شعرائے قدیم کے الہامی اشعار اور سخنوران حال کے وجد آفریں کلام کا یہ بے ترتیب مجموعہ ایسا نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے، موصوف کو اس کی اشاعت کی طرف متوجہ کیا اور بیاض کو برائے کتابت و طباعت اپنے ساتھ لے آئے۔

مگر افسوس کہ واپسی کے کچھ ہی دن بعد آپ نے سفر آخرت اختیار کرلیا اور اس بیاض کی طباعت و اشاعت معرض التوا میں پڑ گئی۔

آج ڈیڑھ سال بعد جبکہ یہ کتاب شائع ہو رہی ہے خیال آتا ہے کہ اگر والد صاحب موجود ہوتے تو شاید اس کی مزید چند در چند خوبیوں کا سبب بنتے۔

یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی وسعت معلومات، عالمانہ خیالات، پاکیزگی جذبات اور دردمندانہ محسوسات کا آئینہ دار ہے جس پر میرے بزرگ مولانا عبدالمالک صاحب نے ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرما کر سید صاحب موصوف کے علم و فضل اور ان کے خیالات پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے کہ یہ بیاض عوام و خواص کی گوناگوں دلچسپیوں کے لئے ایک قابل قدر چیز ثابت ہوگی۔

خاکسار

حمید الدین نظامی

بدایوں

۳۰ جنوری ۱۹۴۹ء

مقدمہ

(از مولانا عبد المالک صاحب آروی)

شاعر کے یہاں ہمیں کبھی کیف نظر آتا ہے اور کبھی کم، کبھی وہ سرور میں ہمیں آبشار کے نغموں کی طرف لیجاتا ہے اور کبھی قمری کے پرالم نوحوں کی طرف۔ کوئی شعر پڑھ کر ہم مسکرا دیتے ہیں اور کسی شعر سے دل کی گہرائی میں درد کے ہلکے ہلکے تاثرات پیدا ہونے لگتے ہیں، ایک ہی شاعر اپنی فکر رائقہ سے ہمارے اندر زندگی کی لہر بھی پیدا کرتا ہے اور موت کی تاریک اور برفیلی فضا میں ہمیں تھپکیاں بھی دیتا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ متضاد صورتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟ یہ نتیجہ ہے انسانی نفسیات کے تغیر کا۔ انسان کی ذہنی اور نفسی کیفیتیں اپنے اندر پائدار یکسانیت نہیں رکھتیں یہی وجہ ہے کہ ایک ہی شاعر کے افکار ہمیں رلاتے بھی ہیں اور ہنساتے بھی لیکن شعر گوئی کی دنیا سے الگ ہو کر جب ہم ان صحیفوں اور مجموعوں کی طرف نظر اٹھاتے ہیں جو کسی ذوقِ سلیم کی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ہمارے ہاتھوں تک پہونچے ہیں تو ہمیں وہاں توازن، یکسانیت اور ذوقِ جمالیاتی کا شاداب و رنگین صحن چمن اور برگ و بار سے ڈھکی ہوئی صاف دلآویز روشیں نظر آتی ہیں ابو تمام طائی کی حماسہ، صائب تبریزی کے منتخب مجموعہ اشعار اور

میر حسن کے تذکرہ میں یہیں یہی لطیف اور بامزہ یکسانیت نظر آتی ہے۔ ابو تمام شاعر تھا، وہ جوانا مرگ شاعر جو دنیا میں اپنے پاکیزہ ذوق شعری کا ابدی نقش چھوڑ گیا لیکن اس کے اشعار سے زیادہ اس کی حماسہ سے اس کی صحیح فطرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح صائب کا انتخاب شعر اتنا وسیع اور اسقدر اہم ہے کہ نقادوں نے اس اعتبار سے اس کو ابو تمام کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اس کا منتخب مجموعہ اس کے ذوق، رجحان اور نفسی میلان کا پتہ بتاتا ہے۔ آتی، رحدی اور والہ داغستانی نے اپنے تذکروں میں اس سے بڑی حد تک استفادہ کیا ہے۔ میر حسن بڑے پایہ کے شاعر تھے لیکن ان کے منتخب اشعار سے جو انہوں نے میر، قایم اور ضیا کے تذکرے میں دئے ہیں، ان کے شاعرانہ میلان پر روشنی پڑتی ہے۔ میر صاحب کا تذکرہ نکات الشعرا فارسی انشا اور نقد و نظر کے اعتبار سے میر حسن کے تذکرہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ لیکن میر صاحب نے جو انتخاب اشعار دیا ہے وہ میر حسن کی بلند سطح تک نہیں پہونچتا۔ خود میر نے اپنے اشعار کا جو انتخاب دیا ہے وہ بالکل ناقص اور کم پایہ برخلاف اس کے میر حسن کے تذکرہ میں میر، سودا، قایم و ضیا کا جو انتخاب درج ہے وہ اتنا ارفع، اتنا جامع اور اس قدر دلآویز ہے کہ بے اختیارانہ میر حسن کے حسن انتخاب اور میلان شعری کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے میر حسن کا احسان میر پر بھی ہے اور قایم پر بھی۔ قایم نے "مخزن نکات" میں اپنے اچھے اشعار درج کئے ہیں۔ لیکن میر حسن

نے جو انتخاب کیا ہے وہ خود قایم کے انتخاب سے بہت زیادہ وزن اور جامعیت رکھتا ہے ضیا تو میر حسن کے استاد ہی تھے، اسلیئے شاگرد نے اپنے استاد کا انتخاب کلام دیکر بہت بڑا حق ادا کیا۔ یہ اشعار پہلیں چونکا دیتے ہیں۔ ضیا کا دیوان کمیاب ہے اسلیئے میر حسن کے تذکرہ میں جو اشعار موجود ہیں وہ بڑی وقعت اور قدر کی چیز ہیں۔ ضیا کے یہاں اس خلش درد کا وجود مصحفی کے اس بیان پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ ضیا نے ابتدا میر سے استفادہ کیا ہے۔

شعروں کے انتخاب سے انتخاب کرنے والے کے ذوق، میلان اور فطرت پر گہری روشنی پڑتی ہے کسی اہل ذوق کے منتخب مجموعہ اشعار کو دیکھکر ہم اس کی صحیح زندگی اور مذاق کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ اسلامی ادب میں شاعری کو اتنا بڑا دخل ہے کہ حدیث و تفسیر سے لیکر رجال، تاریخ اور جغرافیہ کی ساری کتابیں اشعار کے اقتباسات سے بھری ہیں مختلف زبانوں میں اہل ذوق کے پاس بیاضیں ہوتیں اس میں وہ اپنی پسند کے اشعار منتخب کرتے، سلاطین، امرا اور اہل کمال کی بیاضوں کے قلمی نسخے ہم تک پہونچے ہیں۔ تذکرہ طور کلیم میں مرزا مظہر جان جاناں کی بیاض "خریطۂ جواہر" کا تذکرہ ملتا ہے۔ عہد عالمگیری کے ایک شاعر مرزا افضل سرخوش کی "کلمات الشعرا" بیاض ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں سرخوش نے احسن کے سلسلہ میں ایکدوسرے

مجموعہ اشعار کا ذکر کیا ہے۔ احسن کشمیر اور کابل کے صوبیدار تھے، مرزا صائب ایران سے انھیں کے شوق و ارادت میں ہندوستان آئے تھے۔ سرخوش کا بیان ہے کہ احسن نے اپنے زمانہ کے ان شعرا کے کلام کا مجموعہ تیار کرایا تھا جو آپ سے ربط آشنائی رکھتے تھے، اور اس مجموعہ میں اس شاعر کی تصویر بھی تھی، اور یہ التزام کیا تھا کہ خود شاعر ہی سے اس کا کلام انتخاب کرا کے اسی کے خط میں لکھوایا تھا، چنانچہ یہ مجموعہ مشتمل تھا صائب، کلیم، تسلیم، قدسی، سالک یزدی، سالک قزوینی، مرزا رضی دانش کے کلام و تصاویر پر۔ سرخوش کا بیان ہے کہ میری نظر سے بھی ایک ورق گذرا تھا، جس پر کلیم کی تصویر نقش تھی، خدا جانے اب یہ تذکرہ کہیں محفوظ بھی ہے یا دستبرد زمانہ سے نا پید ہو گیا۔ قرینہ تو یہی بتاتا ہے کہ فارسی زبان کا یہ ادبی شاہکار گم ہو گیا، کیونکہ خود سرخوش بھی اس کا ایک ہی ورق دیکھ سکا تھا +

میرے سامنے اس وقت ایک مختصر سی بیاض ہے، اس میں ڈاکٹر سید محمود نے اپنی پسند کے اشعار درج کئے ہیں، یہ اس زمانہ کی یادگار ہے جب آپ احمد نگر کے زندان میں مقید تھے، اور دل بہلانے کے لئے کبھی کبھی اشعار کا مطالعہ کر لیتے تھے، ڈاکٹر صاحب نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک عالم اور صوفی باپ کی آغوش میں پایا، جونپور جیسے علمی مرکز میں ابتدائی تعلیم اور مولانا عبدالمجید کاتب اور مولانا ہدایت اللہ کے افادات نے آپ کی زندگی کی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ والد ماجد ملا محمد عمر کے اسلامی رجحان

اور حیدرآباد کی اسلامی زندگی کا ابتدائی اثر، علیگڑھ اور اسکی انگریزیت کی تقلیدوں، یورپ اور اسکی آزاد فضاؤں میں زندگی کے اہم مراحل طے کرنے کے باوجود، سیاسی تگ و دو، قومی اور ملکی الجھنوں میں گھرے رہنے کے باوصف، آپکی زندگی کے وہ ابتدائی عناصر جو ایک عالم باپ کی آغوش اور صوفی استاذ کے ظل عاطفت کی بدولت آپکے ذوق، فطرت اور شخصیت کی تعمیر کر چکے تھے، اس کے نہ مٹنے والے نقوش آپکی زندگی کے ہر ہر زاویہ سے نمایاں ہیں۔ مجھے کسی ذمہ دار آدمی کو نزدیک سے دیکھنے کا اگر موقع ملا ہے تو وہ صرف ڈاکٹر صاحب کی ذات ہے، آپکے ذوق شعری سے میں واقف تھا لیکن اس حد تک نہیں جس حد تک یہ بیاض واضح کرتی ہے، ڈاکٹر صاحب ایک گہرے مشغول انسان ہیں، نور کے تڑکے اٹھکر آپ جب اپنے مشغلہ میں گھر جاتے ہیں تو بارہ بجے رات تک ایک ماورائے انسانی ہستی کی طرح کام ہی کرتے رہتے ہیں، ملکی، منصبی، علمی، معاشرتی، خانگی الغرض آپ کی مشغول زندگی سے ہمیں ان اگلے عالموں، ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کی زندگی یاد آجاتی ہے جو سلطنت اور وزارت کی ہنگامہ خیزیوں میں علم و ادب کے بہترین شاہکار چھوڑ گئے۔

اموی خاندان کا مشہور خلیفہ حکم ثانی جو اندلس میں ہسپانیہ اور اسکی سرحد کی باغی طاقتوں سے نبرد آزما رہا، بہت بڑا علامۂ دہر تھا، اس کی لائبریری میں چار لاکھ

کتابیں تھیں، اور بعض راویوں کا بیان ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر کتابوں پر اس کے حواشی و یادداشتیں تھیں کم از کم یہ کتابیں بالاستیعاب اس کی نظر سے گزر چکی تھیں علمی مشاغل نے اسکو میدان کے لالہ زاروں میں تلوار کے جوہر دکھانے سے بھی غافل نہ رکھا۔ محمد تغلق ایک اولوالعزم بادشاہ اور ایک علامۂ دہر بھی تھا۔ فیروز شاہ بہمنی تقریباً پچاسوں زبانوں کا ماہر تھا۔ ایک قوی حکمراں، ایک نازک خیال شاعر اور ایک ماہر السنہ کی حیثیت سے فیروز شاہ تاریخ کی مشہور شخصیت ہے، خاندانِ مغلیہ کے پہلے پانچ سلاطین بلند پایہ ادیب، مصنف و نقاد تھے۔ وزرا میں طوسی، المہلبی، المغربی، ابن سینا محمود گاوان، ابوالفضل کو کون نہیں جانتا۔ نظام الملک کی مشغول سیاسی زندگی جبکہ وہ اپنے گھر والوں اور بچوں سے بھی ملنے کے لئے تڑپتے رہے علمی کارناموں اور علمی سرپرستیوں سے بھری ہے۔ المہلبی دیلمی خاندان کے مشہور خلیفہ معز الدولہ کا وزیر تھا، ابن خلکان کا بیان ہے کہ معز الدولہ سے ملنے سے قبل وہ بڑی تنگی اور سخت افلاس میں بسر کر رہا تھا، ایک بار وہ سفر میں تھا اور ہاتھ خالی، گوشت کھانے کو جی چاہا لیکن خریدنے کے لئے پیسے نہ تھے، اس موقعہ پر اس نے چند اشعار کہے اور اپنے فقر و تنگی اور گوشت کھانے کی خواہش کا ذکر کیا۔ ان اشعار کو سن کر ایک دوسرے مسافر عبداللہ الصوفی یا ابوالحسن العسقلانی نے ایک درہم میں گوشت خریدا اور پکا کر المہلبی کو کھلایا۔ سفر کا دورہ ختم ہوا حالات بدلے یہاں تک کہ وہی

المہلبی اب دیلمی سلطنت میں وزارت کی کرسی پر متمکن ہوگیا، دوسری طرف اس رفیق سفر کی حالت بگڑی اور وہ تنگی کا شکار ہوا، جب اس نے سنا کہ المہلبی اب معزالدولہ کا وزیر ہے تو آیا اور عربی میں دو شعر لکھ کر رقعہ بھیجا جس میں اس نے المہلبی کے اشعار کی طرف تلمیح کی تھی، المہلبی کو یہ اشعار دیکھکر اپنا اگلا وقت یاد آیا اور اس نے فوراً اپنے محسن کو سات سو درہم دینے کا فرمان جاری کردیا، اور رقعہ پر قرآن مجید کی یہ آیت لکھدی "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ" اس کے بعد اس کو بلایا اور خلعت پہنایا اور اس کے مناسب حال ملازمت دی، مہلبی وزارت کی مشغول زندگی کے باوجود ایک اچھا شاعر تھا اور ادب میں ید طولیٰ رکھتا تھا، اسی کے ساتھ ادیبوں سے اسکو بڑی محبت تھی،

المغربی کی زندگی بڑی پُر انقلاب رہی، مصر کے بادشاہ الحاکم نے اس کے باپ، چچا اور بھائیوں کو جب قتل کرڈالا تو وہ بھاگ کر رملہ فلسطین پہونچا، اسی طرح کبھی وہ مکہ کی پتھریلی سرزمین میں مارا مارا پھرا اور کبھی عراق کے چٹیل دشت میں، کبھی موصل میں ذرا دم لیا اور کبھی بغداد میں خلیفہ القادر باللہ کو شک ہوا کہ وہ اس کی حکومت میں رخنہ ڈالنا چاہتا ہے، بالآخر المغربی کسی طرح یہ شک رفع کرسکا، اس لئے کبھی آل بویہ کے فرمانروا مشرف الدولہ کے دربار میں قلمدان وزارت سنبھالا اور کبھی دیار بکر میں احمد بن مروان کا وزیر رہا۔ المغربی

ب۔ی

نے ابھی زندگی کے چودہ سال بھی تمام نہ کئے تھے کہ وہ قرآن مجید، نحو، نظم و نثر، حساب اور جبر و مقابلہ کی تعلیم سے فارغ ہوگیا۔ اور پندرہ ہزار قدیم و جدید منتخب اشعار یاد کئے۔ وزارت کی مشغولیت اور پر آشوب زندگی کے مدوجزر کے باوجود اس نے اپنے اشعار کا ایک دیوان چھوڑا ہے۔ وفیات الاعیان" میں اسکی مفصلہ ذیل کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے:۔

مختصر اصلاح المنطق۔ کتاب الایناس (یہ کتاب مختصر سی ہے لیکن بہت مفید ہے اور مصنف کی وسعت معلومات پر روشنی ڈالتی ہے) ادب الخواص۔ کتاب المأثور فی ملح الخدود

خواجہ محمود گاواں دکن کے عادل شاہی خاندان میں وزارت کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ ہی نے مولانا جامی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ کلیات جامی میں آپ کی شان میں قصیدے پائے جاتے ہیں۔ ابن سینا کے متعلق ڈاکٹر ٹی۔ جے۔ ڈی بوئر لکھتا ہے کہ "اس نے سترہ سال کی عمر میں شاہزادہ نوح بن منصور سامانی کا علاج کیا اور وہ شفایاب ہوا۔ اس طور سے اسکو شاہی لائبریری تک پہونچنے کی رعایت حاصل ہوگئی۔ اس وقت سے ابن سینا علمی تحقیقات اور عمل میں خود اپنا اتالیق بن گیا۔ اور اپنے عہد کی تہذیب اور زندگی پر اثر ڈالنے کی اہلیت پیدا کرلی۔ وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سیاسی کاموں میں اپنی قسمت آزمائیاں کرتا رہا وہ غالباً کسی بڑے حکمران کے سامنے گردن انقیاد خم کرنے سے زیادہ کسی عالم حکمت کے سامنے اطاعت گذاری کرسکتا تھا۔ وہ ایک دربار سے دوسرے

دربار میں مارا مارا پھرا۔ ایک وقت وہ ریاست کے نظم ونسق میں مشغول رہا اور دوسرے وقت تعلیم دینے اور تصنیف وتالیف میں منہمک رہا یہاں تک کہ ہمدان میں وہ شمس الدولہ کا وزیر بنگیا" ابن سینانہ صرف ایک معروف عالم طبیب تھا بلکہ وہ فلسفی، فقیہ اور شاعر بھی تھا اور اسی کے ساتھ سیاست اور وزارت کی مشغول زندگی میں ہمیشہ گھرا ہوا بھی۔

الغرض بادشاہوں اور وزیروں کی زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ نظم مملکت کی ہنگامہ خیز زندگی میں انہوں نے علمی کام کئے اور علمی یادگاریں چھوڑیں۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی سے جسقدر سیاست کو علاقہ ہے اسی قدر علم کو بھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے علمی افادات میں بہار کی مشہور "گورنمنٹ اردو لائبریری" ہے اور اس کے علاوہ بہت سے قلمی کارنامے ہیں جو ابھی تک منظر عام پر نہ آسکے۔ ملک کا نقشہ کچھ ایسا بدلا ہوا ہے کہ اردو زبان ایک سخت آزمائش کے دور سے گزر رہی ہے۔

یہ بیاض ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے، احسن کے اس نایاب فارسی تذکرہ کے مثل جس میں شعرا کے کلام کے ساتھ ان کی تحریر کے نمونے بھی درج تھے، اس بیاض کا تاریخی نام مولانا آزاد نے "ارمغان آلام" رکھا تھا جس سے سنہ ۱۲۶۳ھ نکلتا ہے۔ اس میں مولانا آزاد نے بھی اپنے قلم سے تین شعر لکھے، پوری بیاض جو تقریباً ۱۲۰۰ اشعار پر مشتمل ہے، ڈاکٹر سید محمود نے خود لکھی ہے۔ مولانا نظامی بدایونی مرحوم نے جب اسکو ملاحظہ فرمایا تو ڈاکٹر صاحب موصوف سے باصرار طلب کیا اور اشاعت کے لئے بدایوں لے گئے، مولانا کا انتقال ہوگیا اور آپ کے صاحبزادے

احمد الدین صاحب نے اس بیاض کو نئی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا۔ اصل بیاض میں کوئی نظم و ترتیب نہ تھی اور تسلسل کے ساتھ ایک ہی شاعر کا کلام ضبط تحریر میں نہ لایا گیا تھا۔ فارسی، عربی، اردو اور ہندی اشعار بلا ترتیب و انتظام متفرق طور پر درج تھے، احمد الدین صاحب نے ہر شاعر کے مختلف اشعار کو بیاض سے چن کر یکجا کر دیا، حصص و ابواب بھی قائم کئے۔ یہ چیز بظاہر اچھی ہو سکتی ہے لیکن اس بیاض کی تاریخی اہمیت اور انتخاب کرنے والے کے اس احساس و کیفیت پر جو آئے دن جیل کی زندگی میں اُس پر طاری ہوتے تھے بُرا اثر پڑتا تھا لہٰذا مجھ کو اس ترتیب سے اختلاف ہوا، چنانچہ یہ بیاض اُسی غیر منظم طریقہ سے شائع کی جا رہی جس طریقہ سے بلا کسی نظم و ترتیب کے اس میں اشعار جمع کئے گئے تھے۔

اس بیاض میں تقریباً نوے شعراء کا کلام درج ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے "پیش لفظ" میں خود فرمایا ہے یہ محض آپ کی پسند کے اشعار ہیں، اس میں اہل ذوق اور دوسروں کے رجحان و داعیہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا پھر بھی انسانی زندگی کی ہم آہنگی اور نفسیات انسانی کی مماثلت و مقاربت پر ہر پڑھنے والے کو تعجب آئیگا اور وہ کہہ اٹھے گا۔

زیک سو بوئے گل وز یک طرف پیغام یار آمد

من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

بیاض کا مرتب حکومت بہار کا ایک نہایت مشغول انسان ہے، اس کی کے لمحا

اب ذہنی سوگواریوں اور نفسی کلفتوں میں بسر ہو رہی ہیں، وہ ملک کا سچا بہی خواہ، وطن کا قدیم خادم انگریزی سیاست سے مواخذہ و عتاب سہہ سہہ کر جب اس عالم پیری میں ملک کو آزاد کرا سکا تو اس کے سامنے ملک کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے، فرقہ پرستی سارے ملک پر طاری ہے اس کے ہم مذہب پہلے ہی اس سے کچھ خوش نہ تھے اب وطنی دوستوں میں بھی وہ اپنا بلند مقام قایم نہ رکھ سکا، ڈاکٹر صاحب کی غیر معمولی صلاحیت، جامع شخصیت اور جانبازانہ ایثار کا تقاضا تھا کہ آپ سے وطن کے لئے کوئی زیادہ مفید اور زیادہ ذمہ دارانہ کام لیا جاتا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس بیاض کے سرنامہ پر ہی غالب کا وہ شعر درج کیا ہے جسمیں شاعر انتخاب شعر کو "دل کا معاملہ کھل جانے" سے تعبیر کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس بیاض سے ڈاکٹر صاحب کے قومی و ملی جذبات کے ساتھ بعض وہ عناصر بھی جھلک جاتے ہیں جو بظاہر دب گئے لیکن اس کی چنگاریاں خاکستر کے اندر اب بھی دمک رہی ہیں، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس بیاض کے دیکھنے کے بعد سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کے پاکیزہ ذوق شعری کا احساس ہوتا ہے، اردو اور فارسی کے بہتیرے قدیم، معروف اور مستند شعرا کا کلام اس میں درج ہے، بعض ریختی اشعار بھی ہیں، مثلاً عہد جہانگیری کے ملک الشعرا طالب آملی کا شعر ہے:- ز غارت چمنت بر بہار منتہاست   کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر گردد

خیال ایک ہی ہے۔ مشاہدہ اور بصیرت دونوں اعتبار سے غالب اور فتنہ میں کوئی فرق نہیں۔ غالب کی "موج" سے فتنہ کے "تموج" کی ہلکی سی خامی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص آرہ کی گلیوں میں ژولیدہ مو، چاک گریباں پھرا ہو، اس کے منہ سے "بسانِ تموج" سن کر دل کو ایک تازہ پیام ملتا ہے، ایک نئی تلقین نصیب ہوتی ہے۔

بیاض دیکھنے سے پہلے ہمیں خود اس قدر احساس نہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا مذاق شعر و ادب اس قدر ستھرا، لطیف اور دلآویز ہے۔

غالب ایک شعر میں کہتا ہے کہ میری صوفیت کی راہ میں بادہ خواری آڑے بن گئی، اسی وجہ کر میں صوفی مشہور نہ ہو سکا۔ ورنہ میں نے بہت سے تصوف کے معارف و نکات اپنے کلام میں چھوڑے ہیں۔ صوفیانہ شاعری کوئی اچھی چیز ہے یا بری یہ الگ بحث ہے لیکن عربی، فارسی اور اردو کا بہت بڑا ذخیرہ اس صنف پر موجود ہے۔ عرب ایران اور ہند کے امتزاج سے مسلمانوں کے یہاں دوسری ہی صدی ہجری میں تصوف کا میلان پیدا ہو گیا تھا، پر چند جہاں تک اصلاحی رموز و اشارات کا تعلق ہے مجھے بھی صوفیانہ شاعری پسند نہیں لیکن سری سقطی، رضی الدین علی لالا، رومی، حافظ اور درد کی شاعری میں صوفیانہ رنگ تڑپ اور وجدان کا مطالعہ کر کے مجھے بڑی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس بیاض میں ان کی صوفیت کے گہرے آثار پائے جاتے

ہیں، آپنے اس میں بہت سی صوفیانہ اشعار نقل کئے ہیں۔ حضرت آسی کی پاک صحبتوں کے
فیضان سے ابتدا ہی میں آپ کو صوفیانہ مذاق پیدا ہوگیا تھا۔ ابن یمین کے قطعات
رومی کے اشعار اور آسی کا عرفانی کلام انتخاب کرکے ڈاکٹر صاحب نے اپنا صوفیانہ
ذوق بے نقاب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہی صوفیت تھی جس نے ان کو اسلام کا
سچا پیرو رکھتے ہوئے فرقہ پرستی سے بہت بلند رکھا۔ اور سنہ ۱۹۱۰ء ہی سے جبکہ آپ ابھی
علیگڑھ میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے آپ کی شخصیت میں ایک "آئیڈیل ہندوستانی" بننے
کے عناصر کارفرما ہونے لگے، پھر بھی آج جو درد، جو احساس اور جو فکر نکبت زدہ مسلمانوں
کے لئے آپ کے دل میں موجزن ہے وہ اسلام کے نام پر دھوکہ دینے والے کسی بڑے سے بڑے
لیڈر کو بھی میسر نہیں، حالانکہ ہر قوم پرور مسلمان قوم کا دشمن اور ملت کا باغی سمجھا جاتا ہے۔

اس بیاض کے مطالعہ سے ڈاکٹر صاحب کی فلسفیانہ بصیرت پر بھی روشنی پڑتی ہے
شعر و ادب کا رچا ہوا مذاق آخر انسان کو فلسفہ کی گہرائی میں لے جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب اپنی
تعلیمی زندگی میں ہی فلسفہ کا عمیق مطالعہ کر چکے ہیں، اور اس کے ایک مستند فاضل ہیں۔
فلسفہ ہمیں کائنات اور زندگی کے حقایق بتاتا ہے، کائنات کیا ہے کیوں ہے، ہمارا اس
سے کیا تعلق ہے، زندگی کی ماہیت کیا ہے، تعمیر و تخریب کا یہ سلسلۂ لاتناہی جو زندگی پر
پایا جاتا ہے کیوں ہے، اسکی غرض و غایت کیا ہے۔ ان مشاہدات و تجارب نے شعراء، صوفیہ

اور فلاسفہ کی مختلف جماعتیں پیدا کر دیں۔ کسی کا دل رجائیت سے مملو ہوا کسی کا قنوطیت سے
شعر، تصوف اور فلسفہ میں رجائیت اور قنوطیت کے یہ آثار ہمیں مکمل طور پر نظر آتے ہیں
میر، قائم، ضیا ساری زندگی روتے رہے، سودا، جرأت، داغ، ریاض ساری زندگی ہنستے
رہے۔ جرمنی کا مشہور فلسفی "شوپنہار" زندگی کو ایک روگ بتاتا ہے اور "نٹشے" کو "اندگی"
یونان کا ابیقورس زندگی میں نور و سرور لطف و مزا پاتا ہے اور ہنستے کھیلتے لطف اٹھاتے
اسکو بسر کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔ آخر انسان میں یہ متضاد رجحانات کیوں پیدا ہوئے؟
اس میں شک نہیں بڑی حد تک یہ حیاتیاتی مسئلہ ہے، اعضا و جوارح کی ساخت،
قلب و دماغ کی تکوین پر اس کا مدار ہے، بادشاہ کی گود میں پلنے والے زندگی میں تیاگی
ہو گئے، گوتم بدھ، بھرتری ہری، شاہ شجاع کرمانی، خواجہ احمد بن حمدان، رکن الدین
علاء الدولہ نے بادشاہوں کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور فقیری کا لباس پہن لیا
ان کے احساس کی تخلیق ان کے فقر و مصیبت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کے بڑھے
ہوئے تاثرات اور ذہن کی وسعتوں نے انکو اس منزل پر پہونچایا۔ اسی طرح کسی شاعر
یا فلسفی کا تفاؤل اس کی زندگی کی کامرانیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ بعض ایسے شعرا بھی ہوئے
جو زندگی میں فائز المرام نہ تھے، پھر بھی ساری عمر وہ ہنستے ہنساتے رہے۔ اس نقطہ نظر
سے ہم ڈاکٹر صاحب کی بیاض پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ہمیں ناامیدی و اضمحلال کا

کہیں شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ آپکا دل ولولوں سے بھرا ہوا، آپ کی آنکھیں نور و سرور سے تابناک اور آپکا ذہن حوصلہ افزا تصورات سے مملو ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بیاض میں میر کے اشعار بھی دیئے ہیں، میر ایک قنوطی شاعر تھے، یہاں تک کہ ناامیدی و محرومی ہی میں انکو مزہ ملنے لگا تھا، انکے دواوین انکی حسرتوں، ان کے ارمان اور انکی المناک زندگی کی پُر درد کہانیاں ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان کے چند اشعار دیکر خود اپنے رجحان اپنی نفسیات کو نمایاں کیا ہے آپنے ایک جگہ میر کا یہ شعر نقل کیا ہے:-

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے بڑھیں گے دم لیکر

اس میں میر کی حقیقی روح شاعری موجود نہیں ہے سطور بالا میں لکھا جا چکا ہے کہ خود شاعر کے یہاں وہ یکسانیت نہیں پائی جاتی جو انتخاب کرنے والے کے یہاں پائی جاتی ہے میر نے بہک کر یہ شعر کہا ہے وہ اپنی جادۂ راہ سے دور چلے گئے۔ شعر کے حسن و جامعیت سے کس کو انکار ہے لیکن میر کی سوداویت کا حقیقی عنصر اس میں موجود نہیں۔ ڈاکٹر صاحب رجائیت کے حامل ہیں زندگی میں ولولہ محسوس کرتے ہیں اور ہمیں اپنا مقدر درخشاں بنانے کا پیام دیتے ہیں، اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ آپ میر کا انتخاب کریں تو وہی شعر نقل کریں جو آپکے معیار زندگی پر صحیح اترے۔ میر تو ہمیں اتنا رُلا چکے ہیں کہ اب آنسو خشک ہو گئے۔ انکو پڑھنے کے بعد ہمارا تصور زندگی نہایت المناک اور پُر درد بن جاتا ہے

محرومیاں ہم پر چھانے لگتی ہیں اور اضمحلال، بیچارگی اور یاس ہماری رگ و پے میں سرایت کرنے لگتی ہے۔ میر کی قوم کے عہدِ زوال کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب جیسا سنجیدہ دل نقاد میر کا شعر انتخاب کرنے لگتا ہے تو وہ اپنی آنکھیں اُن احساسات سے بند کر لیتا ہے جو زندگی کو محرومیوں کی حامل بنا دیں۔ میر کا شعر ہے:۔

اک محروم چلے میر ہمیں دنیا سے   ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ

بیشک میر نے اس میں اپنی جراحتِ ہستی کا ذکر کیا ہے لیکن کیا اسمیں ایک آرزو کی جھلک نہیں، کیا اسمیں میر کی شاعری کا منفیانہ پہلو پایا جاتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ میر یہاں آرزومند نظر آتے ہیں یہ اور بات ہے کہ قسامِ ازل نے اپنی فیضان سے ان کو محروم رکھا۔ لیکن ہمیں وہ یہ بھی پیام دے گئے کہ زمانہ میں لوگوں کو بہت کچھ ملا۔ یہی وہ پیام ہے جو بنیادی طور پر میر کے حقیقی احساسِ شعری سے الگ چیز ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کا انتخاب کیا۔ کیونکہ اس میں رجائیت کا پیام تھا۔ میر کے بہت سے اشعار آپ نے انتخاب کیے ہیں لیکن سب میں ڈاکٹر صاحب کی نفسیات کی کارفرمائیاں نظر آتی ہیں، ہے میر کا یہ شعر بھی بیاض میں مجھے نظر آیا۔ ؎

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں   اس غمکدے میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں

اور میں بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ آخر ڈاکٹر صاحب نے اس کا انتخاب کیوں کیا، یہ

آپکی فطرت، رجحان اور جمہوری تصور کے بالکل منافی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ بیاض قید و بند کی زندگی میں مرتب ہوئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے قلب و ذہن پر افسردگی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی ہوگی! یہی وجہ ہے کہ اسکی ترتیب میں جو غیر منطقانہ دلآویزی پائی جاتی تھی اسکو باقی رہنے دیا گیا تاکہ زنداں کے لمحات درد و آلام اور کیف و انبساط کی ایک ہلکی پھلکی سی تصویر بھی باقی رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک جگہ میر انیس کا یہ شعر لکھا ہے

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے
چُنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

انیس کی شاعری میں ایک بے پناہ گہرائی ہے، انیس کے بلند ادبی رنگ اور معنوی خصوصیات نے جوش پر بھی اثر ڈالا، جوش فرماتے ہیں:

نظر کر جھریوں سے شیب کے سمٹے ہوئے رخ پر
یہ وہ بستر ہے دم توڑا ہے جس پر نوجوانی نے

اس بیاض میں بہت سے شعر ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی نظر کی گہرائی، ذوق کی بلندی اور رفعتِ نفس پر دلالت کرتے ہیں ۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے ابو العلا معری کے چند اشعار بھی اپنی بیاض میں درج کئے ہیں ان اشعار میں ابو العلا نے تو موسیٰ کے مناسک مذہبی کے ساتھ اسلامی مناسک و شعائر پر بھی تنقید کی ہے ڈاکٹر صاحب یہ رائے دیتے ہیں: "اس سے خیال کیا جاسکتا ہے کہ عربی خلافت کے زمانہ میں آزادیِ خیال کہاں تک پہونچ چکی تھی اور کہاں تک برداشت کی جاتی تھی۔" مشرق اور مغرب دونوں جگہ ابو العلا کی شہرت ہے لیکن اسی کے

ساتھ اس کے متعلق متضاد خیالات بھی ہیں۔ ابن اثیر، ذہبی اور ابن حجر اس کے جحود و زندقہ کے قائل ہیں، ابن اثیر "اللباب" میں اسکی تعریف کرتے ہوئے اسکو بدعقیدہ بتلاتے ہیں۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں راوی حدیث کی حیثیت سے اس کو ساقط الاعتبار اور غیر ثقہ بتایا ہے۔ قاضی ابن خلکان نے "وفیات" میں اسکی شاعری اور ادبیت کی بڑی مدح سرائیاں کی ہیں، امام سیوطی نے اسکی نعت دانی پر عربی نظم میں ایک رسالہ لکھا ہے اس کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے، فیروزآبادی نے مشرق میں اسکو اپنے عہد کا سب سے بڑا ماہر لسان ادیب و نحوی تسلیم کیا ہے، ڈاکٹر ٹی جے بوئر "تاریخ فلسفۂ اسلام" میں نہ تو اسکی فلسفیانہ شاعری کا قائل ہے نہ اسکو کسی نظام فلسفہ کا موجد بتاتا ہے، وہ اس کے تشاؤم پر بھی چیں بجبیں ہے، ہاں وہ اعتراف کرتا ہے کہ اگر ابوالعلا نابینا نہ ہوتا تو تو بہ حیثیت ایک ماہر لسان اور مورخ ایسی تنقیدیں لکھ جاتا جس سے علم و ادب کی کچھ خدمت ہوتی، الغرض ابوالعلا، شاعر و ادیب کی حیثیت سے تو مقبول انام ہے لیکن مذہبی عقائد کی بدولت اسلامی ادبیات میں وہ سخت مطعون ہے۔ ابوالعلا کے افکار و عقاید میں نہ رواداری کا سبق ملتا ہے نہ وسعت نظر کا، بلکہ وہ ایک گمراہ تھا اور روح مذہبی سے بیگانہ، اسکو چاہے آزادی خیال کہہ لیجئے خواہ وسعت مشربی! +

رفیقۂ حیات کے نام

جن کے دینیانہ تأثرات نے مادی دنیا کی آسائشوں سے بلند تر روحانی فضا سے مجھ کو بہرہ مند کیا، جن کے اخلاقی جمال نے میرے چشمہائے قلب و دماغ کو روشن تر بنایا، اور جن کے صبر و سکون نے تب و محن کی سختیاں مجھ پر آسان کر دیں۔ یہ گلستانِ سخن کی گلچینیاں جو خلوت و جلسۂ رنداں کی یادگار و ہمراز ہیں، محرمِ رازِ حیات کی حسنِ خدمت میں تحفۂ محمود کے مشاغلِ جمیلہ کی توضیح و تشریح کی غرض سے پیش کی جاتی ہیں ؎

چوں نیابم محرمِ رازِ دگر
تا شود با من شریکِ خشک و تر
چیدہ ام ایں گلشنِ پارینہ را
تازہ دارم داغہائے سینہ را

زندگی را در محن از خود زدم
تا ازیں آتش زر خالص شوم
ایں زر سارا بہ پیشت آورم
اے خوشا بختم کہ پیشت آورم
فرخا بیخے کہ من بودم در آں
خرم آں لمحے کہ آسودم در آں
رشتۂ جسم من از تو دور بود
لیک ہر دو ہمنفس چوں نور بود

نوٹ :- یہ بیاض احمد نگر ہی سے تحفتاً بھیجنا چاہتا تھا مگر نہ بھیج سکا۔

محمود

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

بیاض

یہ بیاض شعرا کے ضروری طور پر اچھے اشعار کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ چند شعرا کے وہ اشعار لکھے گئے ہیں جو جمع کنندہ کو پسند آئے۔ اس لئے یہ مختصر مجموعۂ اشعار ذاتی پسند کا مجموعہ ہے نہ کہ اُن شعرا کے بہترین اشعار کا۔

یہ بیاض زمانۂ قیدِ احمد نگر میں مرتب ہو رہی ہے

سید محمود

قلعہ احمد نگر۔ بزمانۂ قیدِ فرنگ

ارمغانِ آلام

۱۳۶۴ھ

اِس مجموعہ کا تاریخی نام تجویز ہوا

(بزمانۂ قید احمد نگر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشعار

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معما را
(خواجہ حافظ)

آں کہ بر نقش زد ایں دائرۂ مینائی
نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد "

خبرے نیست کہ منزل گہ مقصود کجا ست
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید "

برو اے زاہد خود بیں کہ ز چشم من و تو
راز ایں پردہ نہان ست و نہاں خواہد بود "

مردم در انتظار و دریں پردہ راہ نیست
یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد (خواجہ حافظ)

با خرابات‌نشیناں ز کرامات ملاف
ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد 〃

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منعِ شراب خوارہ کنم 〃

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند 〃

شمع و گل و پروانہ و بلبل ہمہ جمع اند
اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن 〃

قند آمیختہ با گل نہ علاجِ دلِ ماست
بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

(خواجہ حافظ)

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار
چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے ،،

ہمہ کس طالبِ یارند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت ،،

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست
ہر جا کہ ہست پرتوِ روئے حبیب ہست ،،

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود
بادہ گر خام بود، پختہ کند شیشۂ ما ،،

شبے مجنوں بہ لیلے گفت کاے معشوقِ بے ہمتا
ترا عاشق شود پیدا ولے مجنوں نہ خواہد شد
خواجہ حافظ

ساقی بیا کہ شد قدحِ لالہ پُر زمے
طامات تا بچند و خرافات تا بکے //

زاں پیشتر کہ عالمِ فانی شود خراب
مارا بجامِ بادۂ گلگوں خراب کن //

آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند //

اگر خدائے نہ باشد ز بندہ خوشنود
شفاعت ہمہ پیغمبراں ندارد سود
شیخ سعدی

۷

به هر جا میرم اول حدیث میگویان پیم
که حرفِ آں مہِ نا مہرباں را درمیاں پرسم

شرف جہاں

ہیچ اکسیر بہ تاثیرِ محبت نرسد
کفر آوردم و در عشقِ تو ایماں کردم

(نظیری)

از سوزِ محبت چہ خبر اہلِ ہوس را
ایں شربتِ درداست نہ سازد ہمہ کس را

از حسن ایں چہ سوال ست کہ معشوقِ تو کیست
ایں سخن را چہ جواب ست تو ہم میدانی

حسن

تو از شے ز کرم می کند محبت نیست
توان شناختن از دوستی مدارا را

سازِ خموشِ تا منِ حسرت کشیده را
گویند شنیده ام، سخنِ ناشنیده را
حسن

این جور دیگرست که آزارِ عاشقان
چندان نمی کند که به بیداد خو کنند
〃

بندهٔ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
که درین راه فلان ابنِ فلان چیزے نیست
جامی

مصلحت نیست که از پرده برون افتد راز
ورنہ در مجلسِ رندان خبرے نیست که نیست
حافظ

سرِ خدا که عارف و سالک بکس نگفت
در حیرتم که باده فروش از کجا شنید
〃

رازِ درون پردہ چہ داند فلک خموش
اے مدعی نزاعِ تو با پردہ دار چیست

خواجہ حافظ

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من
ویں حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پسِ پردہ گفتگوئے من و تو
چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گہ گہے پس ماندگانِ راہ منزل می کنند

جلوہ بر من مفروش اے ملک الحاج کہ تو
خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

سالکِ کعبہ کجا دولتِ دیدار کجا این قدر ہست کہ در سایۂ دیوار ہست

چوں عقل و خیال و وہم فانی گشتند
بنگر کہ چہ باقی ست ہم او دلدارست

(اوحدی)

اثباتِ باری تعالیٰ کے ثبوت میں ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ تمام اشیاء کا ہیولیٰ اور مادّہ مشترک ہے، اس لئے اگر مادہ اور ہیولیٰ سبب تخلیقِ عالم کا ہوتا تو مختلف اشیاء اور مختلف آثار وجود میں نہ آتے۔ چونکہ دنیا میں ایک ہی سبب سے مختلف معلول وجود میں آتے ہیں اس لئے وہ سبب درحقیقت سبب نہیں، بلکہ کوئی اور سبب ہے اور اُسی کا نام خدا ہے۔ حکیم سنائی کہتے ہیں :-

چرا در یک زمیں چندیں نباتِ مختلف بینم،
ز نخل و نار و سیب و بید و چوں آبی و چوں لیموں
اگر علت طبائع شد وجود جملہ را چوں شد ؟
یکے مسہل یکے مسہل، یکے دارو، یکے طاعون

علمائے ظاہر کے متعلق حکیم سنائی لکھتے ہیں :-

با دو معشوق نازمی کردند   بدو قبلہ نمازمی کردند

ہر کہ از وے نزد انا الحق ہر   او بود از جماعت کفار

جو شخص انا الحق نہیں کہتا وہ کافر ہے ۔   (عطار)

جملہ یک ذات ست امامتصف

جملہ یک حرف ست امامختلف

(عطار)

دریں معنی کہ من گفتم شکے نیست

تو بے چشمی و عالم جز یکے نیست

(عطار)

دم بدم در ہر لباسے رُخ نمود   لحظہ لحظہ جائے دیگر پا نہاد

بر مثالِ خویشتن حرفے نوشت   نام آں حرف آدم و حوا نہاد

ہم بچشم خود جمالِ خود بدید

تہمتے بر چشم نابینا نہاد

عراقی

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند
بگیتی ہر کجا درد دلے بود بہم کردند و عشقش نام کردند

(عراقی)

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی
بہ طواف کعبہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند
کہ بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

(عراقی)

ساقیا برخیز و در دہ جام را خاک بر سر کن غم ایام را

حافظ

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چراست
از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ساکن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن

جاں ز تن بُردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

(خسرو)

ما پرتوِ نورِ بادشاہِ ازلیم   فرزند نہ ایم آدم و حوا را

عارف ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر
پروانہ چراغِ حرم و دیر نہ داند

(عرفی)

صوفیہ کے نزدیک دنیا میں کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی۔ البتہ صورتیں بدل جاتی ہیں، پھر انسان کیوں فنا ہوگا۔ سہ:۔

کدام دانہ فرو رفت در زمیں کہ نہ رُست
چرا بہ دانۂ انسانت ایں گماں باشد

صوفیہ کے نزدیک فنا بقا کا دیباچہ ہے۔ ہر نیا وجود نئے عدم

کا محتاج ہے۔ نئے نئے عدم نہ ہوں تو نئی نئی ہستیاں وجود میں نہ آئیں۔ ترقی دراصل فنا و عدم ہی کا نام ہے یعنی پہلی صورت فنا ہوتی ہے اور ترقی کر کے دوسری صورت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک ہی حالت قائم رہتی تو ترقی کی رفتار رُک جاتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں :-

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی
آتشے یا خاک یا بادے بُدی

تم جس دن پیدا ہوئے اُس سے پہلے خاک یا کوئی اور عنصر تھے، اور پھر کہتے ہیں :-

گر براں حالت تُرا بودے بقا
کے رسیدے مر تُرا ایں ارتقا

اگر تم اسی حالت میں رہتے تو پھر یہ ترقی کہاں نصیب ہوتی

از مبدل ہستیٔ اول نماند
ہستیٔ دیگر بجائے او نشاند

بدلنے والے نے پہلی ہستی مٹا دی اور اُسی جگہ دوسری

ہستی قائم کردی۔

ہم چنیں تا صد ہزاراں ہست ہا
بعد یک دیگر دوم بہ زابتدا

اسی طرح ہزاروں ہستیاں ظہور میں آئیں، جن میں ہر پچھلی پہلی سے بہتر تھی۔

ایں بقا ہا از فنا ہا یافتی
از فنا پس رو چرا بر تافتی

تم نے یہ بقائیں فناؤں سے پائیں، پھر فنا سے کیوں منہ موڑتے ہو۔

در فنا ہا ایں بقا ہا دیدۂ
بر بقائے جسم چوں چسپیدۂ؟

تم نے فناؤں میں یہ بقائیں دیکھیں، پھر اب جسم کی بقا پر کیوں لپٹے ہو۔

تازہ می گیر و کہن را می سپار
زانکہ امسالت فزوں آید ز پار

نیا لو اور پُرانا چھوڑ دو، کیونکہ ہر نیا سال پُرانے سے بہتر آتا ہے۔

عام لوگوں کے نزدیک قیامت کی زندگی اخیر زندگی ہے، لیکن صوفیہ کے نزدیک وہ بھی ترقی کی ایک منزل ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے اور قرآن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام عالم کو کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور ہم سب اس مقصد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ مقصد کیا ہے اور ہم ابھی اُس مقصد سے کتنی دُور ہیں اور ابھی کتنی مسافت باقی ہے اور کتنی طے ہو چکی ہے۔ قرآن ہی سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت آخری منزل نہیں ہے۔ قیامت و سزا و جزا منزل کا ٹھہراؤ ہے اور اس کے بعد بھی رستہ درپیش ہے۔ اُس سفر کی نوعیت کیا ہو گی اسے کون کہہ سکتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں :-

از جمادی مردم و نامی شدم
از نما مردم بحیواں سر زدم

میں نے جمادی کے مرتبہ کو چھوڑا اور نامی ہوا اُس سے آگے بڑھ کر جان دار ہوا یعنی پتھر سے نباتات پھر جاندار۔

مُردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کے ز مُردن کم شدم

جاندار سے گذر کر آدمی ہوا اس لئے مجھے مرنے سے کیا غم ہے۔ مرنے سے میرا کیا نقصان ہے۔

حملۂ دیگر بہ میرم از بشر
تا بر آرم از ملائک بال و پر

دوسرے دعلہ میں بشریت سے گذر کر فرشتہ بن جاؤں گا۔

بارِ دیگر از مَلَک پرّاں شوم
انچہ اندر وہم نایدٔ آں شوم

پھر فرشتہ پن سے آگے بڑھوں گا اور وہ ہو جاؤں گا جو وہم میں بھی نہیں آ سکتا۔

آب کوزہ چوں در آب جُو شود
محو گردد در وے و چوں اُو شود

جب کوزہ کا پانی ندی میں چلا جاتا ہے تو وہی ہو جاتا ہے۔

گفتی کہ ہمیشہ من خموشم گویا شدہ پس بہ ہر زباں کیست

تو کہتا ہے کہ میں ہمیشہ چپ رہتا ہوں، پھر یہ کون ہے جو ہر زبان میں بول رہا ہے۔

گفتی کہ نہانم از دو عالم پیدا شدہ در یگاں یگاں کیست

تو کہتا ہے کہ میں سب سے پوشیدہ ہوں تو یہ کون ہے جو ایک ایک چیز میں نمایاں ہے۔

گفتی کہ نہ اینم و نہ آنم، پس آں کہ ہم ایں بود ہم آں کیست

تو کہتا ہے کہ میں نہ یہ ہوں نہ وہ ہوں تو وہ کون ہے جو یہ ہے۔ اور وہ بھی۔

چنداں کہ نگاہ می کنم می بینم کہ رے چندے بطوفے کہ رے چنداند

ہر کہ با زندہ اند بے مردہ می کند جنگ سخت ناداں ست

(شیعہ سنی کے جھگڑے پر خوب عائد ہوتا ہے)

خوش‌تر از فکر مے و جام چہ خواہد بودن
چوں خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن — حافظ

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
بمے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

ساری دنیا اس قابل نہیں کہ ایک لحظہ کا غم گوارا کیا جائے۔ ہمارا خرقہ شراب کے لیئے بیچ ڈالو تو اس سے اچھے اس کے دام نہیں اٹھ سکتے۔ — حافظ

اے کہ مے گوئی چرا جامے بہ جانے میخری
ایں سخن با ساقی ما گو کہ ارزاں کردہ است — فغانی

آں کہ ایں نامہ سربست نوشتست نخست

گرہ ہے سخت بہ سر رشتۂ مضموں زدہ است

جس نے ابتدا میں یہ تحریر لکھی ہے یعنی کائنات کو پیدا کیا مضمون کے دھاگے میں ایک سخت گرہ بھی لگا دی۔ یعنی اس راز کا سمجھنا سخت مشکل کر دیا۔

زبد ہوشی نفہم ہر چہ گوید آں پری پیکر
چو از بزمش روم مضمونِ آں از دیگراں پرسم
چناں گوید جوابِ من کز و گردد رقیب آگاہ
بہ مجلس گر من بیدل از و حرفے نہاں پرسم
زحالِ او اگرچہ آگہم بیش از ہمہ لیکن
زبیتابیٔ شوقِ احوالِ او من این و آں پرسم

شرف جہاں

تہمت زدہ ام کرد بہ عشقِ دگرے کاش
پرسند کہ غیر از تو بہ عالم دگرے ہست (میلی)

میلی فارسی کا میر تقی میر تھا۔ نہایت درد کا کلام لکھتا تھا۔

چناں طاؤس گو نہ گشت، گوئی
بجائے نرمی وجائے درشتی
زگل بوئے گلاب آید بہ بینیاں
کہ پنداری گل اندر گل سرشتی
دقیقی چار خصلت برگزیدہ ست
بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئے خوں رنگ و کیشِ زردہشتی
(دقیقی)

گفتم ایں جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم
گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا میکرد
(حافظ)

شرحِ مجموعۂ گل مرغِ سحر داند و بس
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست
پھول کے نکات صرف بلبل ہی جان سکتی ہے۔ چند ورق

پڑھ لینے سے معنی نہیں آتا۔

رہرواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

نہ بر خیرہ بہ او دل داد محمود
دل محمود را بازی مپندار

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

صحرائے دلم عشق تو شورستاں کرد
تا مہر کسے دگر نہ روید ھرگز

سلطان ابو سعید ابوالخیر

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

خسرو

دوستی با دشمنم نز بہرِ مہر انگیزی است
دوستے را دوست دارم ورنہ دشمن دشمن است

بہ دورہ گردی من از غرور می خندد
حریفِ سخت کمانے کہ در کمیں دارم

پس از عمرے اگر حالِ من بیمار می پرسد
نمی پرسد ز من آں نیز از اغیار می پرسد

یکبار نہ گفتی سخن اہر کہ در پے   صد گونہ حدیث غلط آمد ز نہ گفتی

در روزِ قیامت ایں بداں کے ماند
کیں کشتۂ دشمن است و آں کشتۂ دوست
شہید قیامت میں عاشق صادق کا کہاں مقابلہ کر سکتا ہے یہ دشمن

کا مارا ہے، وہ دوست کا۔

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

عشق و اوصافِ کردگار یکے ست   عاشق و عشق و حسن و یار یکے ست

(عراقی)

عشق شورے در نہادِ ما نہاد   جانِ ما در بوتۂ سودا نہاد
گفتگوئے در زبانِ ما فگند   جستجوئے در درونِ ما نہاد

(عراقی)

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عینِ اوست
اما نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

حافظ

آں ہمہ شعبدہ عقل کہ می‌کرد آنجا
سامری پیشِ عصا و یدِ بیضا می کرد

۲۵

چند چند از حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

آنچہ معشوق ست صورت نیست آں
خواہ عشقِ آں جہان و خواہ عشقِ ایں جہاں

آناں کہ وصفِ حسنِ تو تقریر می کنند
خواب نہ دیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

چوں قضائے حق رضائے بندہ شد
حکم او را بندۂ خواہندہ شد

دانا ہرگز ادائے ناخوش نہ کند
جز پیرویِ دشمنِ سرکش نہ کند
آتش چو بلند شود بر و آب زنند
رفعِ آتش کسے بہ آتش نہ کند

(یعنی غصہ کے مقابلہ میں غصہ نہ کرنا چاہئے)

با دنیا و دیں کار ندارد عاشق　　　مستی و خمار در شراب حق نیست

اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بہت زیادہ عبادت سے انسان میں ریاکاری آجاتی ہے۔ اس لئے دین گویا مستی ہے جس کے بعد خمار بھی ضرور پیدا ہوگا۔)

هنرمند باشد بسان گهر　　　که هر کس مرا ورا خریدار نیست
هنرمند باید که باشد چو نیل　　　که او لایق اهل بازار نیست

(ابن یمین)

انسان جب واقعات عالم پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی حکیم، عادل، مدبر نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سی چیزیں بے کار و بے مصرف نظر آتی ہیں، اور بہت سی چیزیں صاف نظر آتی ہیں کہ مضر اور نقصان رساں

ہیں۔ شیر، بھیڑیے، سانپ، بچھو، بجز اس کے کہ لوگوں کو نقصان پہونچائیں اور کس مرض کی دوا ہیں۔ سیلاب، زلزلے، پانی اور ہوا کے طوفان ملک کے ملک برباد کر دیتے ہیں جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

لیکن عالم ایک وسیع اور بے پایاں سلسلہ موجودات کا نام ہے اس میں انسان کے دائرۂ علم میں جو حصہ آیا ہے وہ اتنا بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ صرف ایک قطرہ کی حالت دیکھ کر کوئی شخص سمندر کے فوائد و نقصانات پر کوئی رائے لگائے تو کیونکر اعتبار کے قابل ہو گی۔ ہم ایک شے کو اپنے لئے یا ایک گروہ کے لئے نقصان رساں سمجھتے ہیں لیکن کل عالم صرف ہمارا نہیں، کاروبار عالم میں ایک شخص یا ایک گروہ کی مصلحت ملحوظ نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام عالم کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ جو چیز ہمارے لئے مضر ہے مجموعی حالت کے لحاظ سے مفید ہو۔

گر جہاں از یک جہت بیفائدہ است ... از جہت ہائے دگر پُرفائدہ است

حسنِ یوسف عالمے را نائدہ — گرچہ بر اخوان عبث بد زائدہ

ہر کس کہ خلاص از بد و نیک خود است
اندر ہمہ حال محوِ شانِ احد است
در چشم کسے کہ احوال است ز ہستی
جز آنچہ موافقِ مراد ست بد است

ادام کہ دست کس بہ ہر سودے ہست
گم راہ برو کہ غیر او بودے ہست
بر وفقِ مرادِ تو از آں نیست فلک
تا در یابی کہ جز تو موجودے ہست

یعنی اگر آسمان تمہارے اغراض و مقاصد کے موافق کام نہیں کرتا
تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہارے سوا اور بھی موجودات
ہیں اور ممکن ہے کہ وہ باتیں ان کے مصالح کے لحاظ سے ہوں۔

گفتم کہ گر قاضی و مفتی سند اند
در راہِ حقیقت بہ حقیقت بلد اند
چوں بر سرِ راہ آمدم دانستم
کیں ہم سفراں ہمہ چوں من نابلد اند

پہلے خیال ہوتا ہے کہ علماء (قاضی و مفتی) آشنائے راز ہو گئے لیکن اصل حقیقت سے سب نابلد ہیں۔

ہر گہ رہم افتاد بہ صحرائے محبت
دیدیم چو خود بے ہُدہ گرہیدہ گردیم گذشتیم

یعنی جب میرا گذر صحرائے محبت و معرفت میں ہوا تو میں نے دیکھا کہ رہنما بھی میری طرح چکر لگا رہے ہیں؛ اس لئے میں اس کو چھوڑ کر آگے بڑھا۔

زبسکہ پیرویِ خلق گُم رہی آرد
نمی رویم براہے کہ کارواں رفتہ ست (راقم شہدی)

در جہاں ہرچہ می کنند عوام
نزدِ خاصاں رسوم وعادت است (ابن یمین)

ہر مذہب میں جو مصلح اور ریفارمر گذرے ہیں انہوں نے ہمیشہ جمہور کی مخالفت کی ہے۔

ناقص غذائے کامل

یہ اصول تمام عالم میں جاری ہے کہ ادنیٰ چیزیں اعلیٰ چیزوں کی غذا ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات پھر انسان۔ مخلوقات کی ترتیب میں جمادات کا درجہ سب سے کم ہے۔ اس لئے نباتات جمادات کے اجزا کو چوستے ہیں اور نباتات کو حیوانات، جو اُن سے بالاتر ہیں کھاتے ہیں۔ اور انسان جو سب سے اشرف ہے اُن کو کھاتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:-

حلق بخشد خاک را لطفِ خدا
تا خورد آب و برد صد گیاہ

باز خاکے را بہ بخشد حلق و آب
تا گیاہش را خورد اندر طلب
چوں گیاہش خورد حیواں گشت رفت
گشت حیواں لقمۂ انسان و رفت

یہ اصول صرف مادیات ہی میں نہیں بلکہ تمام اشیاء میں جاری ہے ہر اعلیٰ چیز ادنیٰ کو فنا کر دیتی ہے۔ اور اس پر غالب آ جاتی ہے تمام عالم اسی غالب و مغلوب کے اصول پر چل رہا ہے۔ ؎

جملہ عالم آکل و ماکول داں

معنوی چیزیں مثلاً مضامین خیالات، مذاہب مختلفہ فلسفہ ہائے گوناگوں، مسائل علمی سب کا یہی حال ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کو فنا کر دیتے ہیں۔ ؎

پس معانی را چہ اعیاں حلق ہاست

یعنی موجودات خارجی کی طرح معانی کے بھی حلق ہیں ۔۔

اپنی بے حقیقی

انسان جب کائنات اور مظاہر قدرت پر زیادہ غور کرتا ہے تو اس کو اپنا بے قدر و بے حقیقت ہونا نظر آتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ بات بات میں وہ دوسری چیزوں کا محتاج ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر بھی اس کا پورا اختیار نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ تمام چیزیں ایک بڑی قوت کے تحت میں کام کر رہی ہیں۔ اور ایک خاص نظام قایم ہے۔ غور بینی جس قدر بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اپنی بے حقیقتی اور قادر مطلق کے کمال کا زیادہ یقین بڑھ جاتا ہے۔

چندانکہ دریں دائرہ بر می گردم
نقصان خود و کمالِ او می بینم

وحدت وجود کی یہی ابتدا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہر چیز میں اسی کو دیکھنے لگتا ہے۔

ترکِ خودی سے جھگڑے مٹ جاتے ہیں

انسانوں میں جو اختلافات اور نزاعات پائے جاتے ہیں اکثر کی بنا خودی اور خود پرستی ہے۔ وہ دشمن سے اس لئے بھڑ جاتا ہے کہ اس کے آگے سر نہیں جھکاتا۔ وہ نکتہ چینی سے اس لئے ناخوش ہوتا ہے کہ اس کے کمال پر حرف آتا ہے۔ وہ دوسروں کی اس لئے تحقیر کرتا ہے کہ اس کی عظمت ثابت ہو۔ اس لئے اگر انسان خودی اور شخصیت سے باز آئے تو دوست دشمن آشنا بیگانہ نیک و بد سب تفرقے مٹ جائیں۔

رفتم ز میان من و یکے شد دو جہاں
دیوار فتاد آں سو و ایں سوئے نماند (سحابی)

یعنی جب میں نے خودی چھوڑ دی تو تمام دنیا ایک ہوگئی۔ جس طرح دیوار گر جاتی ہے تو اِس رُخ اور اُس رُخ میں تمیز نہیں ہوتی۔

اختلاف مذاہب

عرفا کے نزدیک اختلاف مذاہب کوئی چیز نہیں، جتنے مذاہب ہیں سب برحق ہیں۔ سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ جب سب ایک ہی کو ڈھونڈھتے، ایک ہی کو چاہتے اور ایک ہی کے طالب ہیں تو نام کے اختلاف سے فرق نہیں پیدا ہوتا۔ ہندو بت کو پوجتا ہو لیکن یہ سمجھکر نہیں کہ بت خود کوئی مستقل معبود ہے بلکہ اس نسبت سے کہ اس میں مطلوب حقیقی کا پرتو ہے یہ اس کی یاد کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر ایک عارف کہتا ہے:-

روئے تو بہر دیدہ کہ بینند نکوست
نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(سلطان ابو سعید ابوالخیر)

حق می گوید بگوش خالص دیناں　　مقصد چو منم چہ اختلافست دیں ہا

(سحابی)

ہفتاد و دو فرقہ را طلبگار یکیست　　یک دریاست روئے ہر سیل کہ ہست

یعنی بہتر دوں فرقوں کا مطلوب ایک ہی ہے جس طرح جتنے
سیلاب ہیں سب دریا کی طرف جاتے ہیں۔

بات سوچ کر کہنا چاہیے

سخنِ رفتہ دگر بار نیاید بہ زبان
اول اندیشہ کند مرد کہ عاقل باشد
تا زبان دگر اندیشہ نباید کردن
کہ چرا گفتم؟ و اندیشہ باطل باشد

بُرے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہیے :-

بابداں کم نشیں کہ صحبتِ بد گرچہ پاکی، ترا پلید کند
آفتابے بہ ایں بزرگی را
ذرۂ ابر ناپدید کند

زاہد بہ زنِ فاحشہ گفتا مستی
کز خیر گذشتی و بہ شر پیوستی
زن گفت چناں کہ می نمائم ہستم
تو نیز چناں کہ می نمائی ہستی؟

(عمر خیام)

(ریاکار زاہدوں کی اس رباعی میں جو دھجیاں اُڑائی ہیں، گویا کہ اس مضمون کا خاتمہ کر دیا ہے)

کاملے گفت است می باید بسے | عقل و حکمت تا شود گویا کسے
بانہ باید عقل بے حد و قیاس | تا شود خاموش یک حکمت شناس

(عطار)

اگر در عشق از عشقت خبر نیست
ترا ایں عشق عشقِ سود مند است

(عطار)

حضرت ابراہیم نے ایک گبر کو اپنے دسترخوان پر سے اٹھا دیا

ہاتف غیب نے کہا :-

غمش با دو صد سال روزی رجال　　　　ترا نفرت آمد از و یک زمان

(سعدیؒ)

درین دریا کہ من ہستم نہ من ہستم نہ دریا ہم
نداند ہیچ کس این سر مگر آں کو چنیں باشد
لب دریا ہمہ کفرست و دریا جملہ دینداری
ولیکن گوہر دریا ورائے کفر و دیں باشد

(عطارؒ)

ہمارا ایشیائی خیال ہے کہ بچوں کو اچھی خوراک اور اچھا لباس نہ دینا چاہیے تاکہ آرام طلب و عیش پسند نہ ہو جائیں۔

پسر را نکو دار و راحت رساں　　　　کہ چشمش نماند بدست کساں

(سعدیؒ)

پہلے یورپ و ایشیا دونوں جگہ لڑکوں کو ہر وقت نصیحت کرنا اور جسمانی سزا دینا، تربیت سمجھا جاتا تھا۔ مگر شیخ کہتے ہیں:-

نوآموز را ذکر و تحسین و زہ　　　　ز توبیخ و تہدید استاد بہ

ایک درویش حج کے سفر میں ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتا
جاتا تھا اس کے دل میں غرور پیدا ہوا۔ ہاتف غیب نے ندا دی۔

بہ احسانے آسودہ کردن دلے   بہ از الف رکعت بہ ہر منزلے

یعنی ایک دل خوش کرنا ہزار رکعت سے بہتر ہے۔

(سعدی)

ساقی بہ نور بادہ بر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما
ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب دوام ما

(خواجہ حافظ)

قرآن خوانی پر خواجہ حافظ کو ناز تھا۔

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ   بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری
صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ
آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

برسرِ تربتِ ما چون گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود
حافظ

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو کر رہی۔

ساقیا برخیز و در دہ جام را — خاک بر سر کن غمِ ایام را
گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں — مانمی خواہیم ننگ و نام را
حافظ

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضعِ تست — فی الجملہ میکنی و فرو می گذارست

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یارانِ شہر بے گنہ اند
(کیا پُر لطف اور باریک چوٹ ہے)

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بہ یاد آر حریفانِ بادہ پیما را

نقش مستوری و مستی نہ بدستِ من و تست
آنچہ استادِ ازل گفت بکن آن کردم

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

ان کا میلان جبر کی طرف ہے یعنی انسان خود مختار نہیں کوئی اور قوت ہے جو اس سے کام لے رہی ہے۔ یہ فلسفہ کی آخری منزل گو ظاہراً عقل کے خلاف ہے لیکن اربابِ فنا اسی میں چور ہیں

خواجہ حافظ کی اخلاقی تعلیم فلسفۂ انسانیت کی تصویر ہے۔
مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواھد گو برو
گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست
بندۂ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم است
ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس
(حافظ)

حصولِ مقصد کیلئے کوشش درکار ہے!

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

ترغیب عمل یوں کرتے ہیں :-

اے دل بکوئے عشق گذارے نمی کنی — اسباب جمع داری و کارے نمی کنی
چوگاں بدست داری و گوئے نمی زنی — بازے چنیں بدست و شکارے نمی کنی

محتسب در قفائے رندان است — غافل از صوفیان شاہد باز

(سعدی)

گر کنند میل بخوبان دلِ من عیب مکن
کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت میروند آن کارِ دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمندِ محفل باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روزِ داورے
کیں ہمہ قلب و دغا در کارِ داور می کنند
آہ آہ از دستِ صرافانِ گوہر ناشناس (حافظ)
ہر زماں خر مہرہ را با دُر برابر می کنند
بر درِ میخانۂ عشق اے ملک تسبیح گوے
کاندر آنجا طینتِ آدم مخمر می کنند

سبحان اللہ کس دلبری و بے باکی سے اور کس عمدگی سے علمائے
صوفیان و واعظانِ ریاکار کی خبر لی ہے۔

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نہ بود
بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

من از پیرِ مغاں دیدم کرامت ہائے مردانہ
کہ ایں دلقِ ریائی را بجامے در نمی گیرد

ترسم کہ صرفہ نبرد روزِ بازخواست (قیامت)
نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرامِ (شراب) ما

بادہ با محتسبِ شہر نہ نوشی زنہار
کہ خورد بادۂ تو و سنگ بجام اندازد

مے خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب
بہتر بہ طاعتے کہ بہ روی و ریا کنند

زاہد شہر چو مہر ملک و شحنہ گزید
من ہم ار مہر نگارے بگزینم چہ شود (حافظ)

امر حق کو چھپانا نہیں چاہیے۔ شراب میں فائدے و نقصان دونوں ہیں۔ مگر نقصان زیادہ ہے اور باوجود اس کے کہ حرام کردی گئی ہے لیکن قرآن میں خدا نے اس کے فائدے نقصان دونوں بتلا دیئے ہیں اور کہدیا ہے کہ نقصان زیادہ ہے۔ "فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا" جب خدا نے شراب جیسی حرام چیز کے فائدے کو چھپانا نہیں چاہا البتہ بتلا دیا کہ فائدے سے نقصان زیادہ ہیں اس لئے پرہیز کرنا چاہیے، تو امر حق عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ ہمارے علما و لیڈران کا یہی طریقہ ہوگیا ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں:-

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

واعظین کی نیکیاں بھی چونکہ ذاتی اغراض پر محمول ہوتی ہیں اس لئے درگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے کے قابل نہیں۔

ایں خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ
ایں دفترِ بے معنے غرقِ مئے ناب اولیٰ

شوخی اور لطافتِ بیان دیکھو :-

واعظِ شہر کہ مردم ملکش مے خوانند
قولِ ما نیز ہمین است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں، اس قدر تو ہم کو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں۔ رہا فرشتہ ہو یا شیطان اس کا فیصلہ ہوتا رہیگا۔

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بہ جوے نفروشم

میرے باپ آدم نے بہشت کو گیہوں کے بدلے بیچ ڈالا تھا۔ میں اگر ایک جو کے بدلے نہ بیچوں تو ناخلف ہوں گا۔ (جو سے شراب بنتی ہے)

دو قرصِ نان اگر از گندم است یا از جو
دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
چہار گوشۂ دیوارِ خود بہ خاطرِ جمع
کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رَو
ھزار بار نکوتر بنزدِ ابنِ یمین
ز فرِ مملکتِ کیقباد و کیخسرو

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی
حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

(عرفی)

چہ عظمت دادہ یا رب بخلقِ آں عظیم الشاں — کہ "انی عبدہ" گویند بجائے قولِ "سبحانی"

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتاب روح روانِ جہاں ہے تو
شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو
باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا
قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے
وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے
اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو
یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو

تیرا کمال ہستیٔ ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں

ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو

نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

اقبال

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

حضورِ یار میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جسکی ہو وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

اقبال

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن
نہ تری حکایتِ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

(اقبال)

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں　　　　نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الکشن، ممبری، کونسل، صدارت　　　　بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے تھے
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

(اقبال)

ناداں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
مغرب میں ہے جہاز بیاباں شتر کا نام
ترکوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ؟　　　　دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے
تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض　　　　دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجیے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجیے

(اقبال)

پیرِ مغاں، فرنگ کی مے کا، نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھکو تو خانہ ساز دے
تجھکو خبر نہیں ہے کیا؟ بزم کہن بدل گئی،
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مے مجاز دے

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا
راز اس کی نگاہ سے چھپایا
بیتاب ہے ذوق آگہی کا
کھلتا نہیں بھید زندگی کا

حیرت آغاز و انتہا ہے
آئینے کے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرم خرام موجِ دریا
دریا سوئے بحر جادہ پیما
بادل کو ہوا اڑا رہی ہے
شانوں پہ اٹھائے لا رہی ہے
تارے مستِ شرابِ تقدیر
زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز — لانے والا پیام "برخیز"
مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر — پیتا ہے مئے شفق کا ساغر
لذت گیرِ وجودِ ہر شے — سرمستِ مئے نمودِ ہر شے
کوئی نہیں غمگسارِ انساں
کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود
گل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود

اقبال

رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند
یہ ہندیوں کی فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بامِ ہند

اس دیس میں ہوئے ہیں وہ انساں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اسکو امام ہند
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہی سہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

(اقبال)

صدائے درد

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا، یاں تو اک قرب فراق آمیز ہے

بدلے یکرنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں
لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانۂ خرمن نما ہے شاعرِ معجز بیاں + +
ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں
حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو
ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں
کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے
پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

(اقبال)

کوشش ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و تاب صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کے لئے

رہتی ہے قیس روز کو لیلئ شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطرب تابِ دوام کے لئے

کہتا تھا قطبِ آسماں قافلۂ نجوم سے
ہمرہو! میں ترس گیا لطفِ خرام کے لئے

سوتوں کو ندیوں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق
موجۂ بحر کو تپش ماہِ تمام کے لئے

حسنِ ازل کہ پردۂ لالہ و گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لئے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

(اقبال)

جلوۂ حسن

جلوۂ حسن، کہ ہے جس سے تمنا بے تاب
پالتا ہے جسے آغوشِ تخیل میں شباب
ابدی بنتا ہے یہ عالمِ فانی جس سے
ایک افسانۂ رنگیں ہے جوانی جس سے
جو سکھاتا ہے ہمیں سر بہ گریباں ہونا
منظرِ عالمِ حاضر سے گریزاں ہونا
دور ہو جاتی ہے ادراک کی خامی جس سے
عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے
آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں ؟
خاتمِ دہر میں یارب وہ نگیں ہے کہ نہیں ؟
(اقبال)

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی وہ دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

(اقبال)

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند
مشکِ اذفر چیز کیا ہے، اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت، مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

(اقبال)

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہو
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہو؟

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونیوالا ہی
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہی تو اے بلبل
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"
ترے سینہ میں پوشیدہ ہی رازِ زندگی کہدے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہدے

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

سرگزشت آدم

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے (قالوا بلیٰ)
لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے
رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
دکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے
ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے

نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
کبھی بتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے

کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہونچا
چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھکو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے

کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے

سنایا ہند میں آ کر سرودِ ربانی
پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے

دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے

بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنیٔ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے

لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو

جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے
سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینۂ عقلِ دوربیں میں نے

کیا اسیر شعاعوں کو، برقِ مضطر کو
بنادی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے

مگر خبر نہ ملی آہ! رازِ ہستی کی
کیا خرد سے جہاں کو تہِ نگیں میں نے

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اُسے مکیں میں نے

(اقبال)

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اِک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا؟
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیّر سے جب نمود اسکی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جسکی
کہیں قریب تھا۔ یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی اخترِ سحر نے سنی
سحر نے تارے سے سُن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے
چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

(اقبالؔ)

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں
یہ جانِ بے قرار ہے تجھ پر نثار کیوں؟

سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے
آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے

کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا!
پھونکا ہوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟

آزارِ موت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟
شعلے میں تیرے زندگیٔ جاوداں ہے، کیا؟

غم خانۂ جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو
اس تفتہ دل کا نخلِ تمنا ہرا نہ ہو

گرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے

کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حسنِ قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے

پروانہ اور ذوقِ تماشائے روشنی!
کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی!
(اقبال)

بچے کی دعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دُور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھکو محبت یارب

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

میرے اللہ برائی سے بچانا مجھکو
نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھکو
(اقبال)

دعا

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خودداریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے

بے لوث محبت ہو بیباک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے!

اقبال

ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
آزاد فکر سے ہوں، عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہے میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزہ کا ہو بچھونا

شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج سے کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا... ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کے
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھکو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جسدم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مرا دُعا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلہ کو میری صدا درا ہو
ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید اُنھیں جگا دے ((اقبال))

چہ شوق است این کہ گر گویم زحالِ خود سخن باکس
درا ثنائے سخن چوں ہنگرم حرفِ تو میگویم

بشیوۂ بے مہری آں ماہ را با خود شرف
خوب می دانستم اکنوں خوبتر دانستہ ام

مقصودِ ما شنیدنِ نامِ تو بودہ است
گاہے ز ناصح ار سخنے گوش کردہ ام

ربودہ آنچناں از خود خیالِ آں پری رویم
کہ خود حرفے اگر پرسد جوابِ او نمیگویم

ہم از غالب حریفِ ہائے حسن است کہ یک عالم حریفِ کودکے نیست

بہ دُرد و صاف ترا کار نیست دم درکش
کہ ہرچہ ساقیِ ما ریخت عین الطاف است

اظہارِ محبت آیۂ محبوبی است ہر کس گفت از توام ثمرا ز خود کرد

(جس نے تم سے کہا کہ میں تمہارا ہوں اس نے تم ہی کو اپنا کر لیا)

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
(میر)

ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان ہے، سکندر خوش ہے کہ اس نے دنیا فتح کی۔ لیکن یہی واقعہ دوسرے لفظوں میں یوں ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں تباہ ہو گئیں، بڑے بڑے تاجدار خاک نشیں ہو گئے، عرب شاعر نے اسی بنا پر کہا۔ "فوائد قوم عند قوم مصائب" ایرانی شعرا نے اس نکتہ کو زیادہ لطافت سے ادا کیا ہے:—

زمانہ گلشنِ عیشِ کرا بہ یغما داد
کہ گل بدامنِ ما دستہ دستہ می آید

(یعنی ہمارے دامن میں گلدستوں کا جو ڈھیر لگ رہا ہے تو کسی کا باغِ عیش برباد ہوا ہے)

عیشِ ایں باغ باندازۂ یک تنگدل است
کاش گل غنچہ شود تا دلِ ما بکشاید

(اس باغ کا عیش ایک تنگ دل کے لئے کافی ہو سکتا ہے کاش پھول کلی بن جاتا تو ہمارا دل کھلتا۔)

زاھد غرور داشت سلامت نہ برد راہ
رند از رہ نیاز بہ دار السلام رفت (حافظ)

ہلاکو کے ہاتھ بغداد پر جو تباہی آئی اس کا مرثیہ شیخ سعدی نے لکھا ہے جو دل ہلا دینے والا ہے، چند اشعار یہ ہیں :-

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین
اے محمد! گر قیامت سر بروں آرے ز خاک
سر برآر و این قیامت درمیانِ خلق بیں
نازنینانِ حرم را موجِ خونِ بیدریغ
ز آستاں بگذشت و ما را خونِ دل از آستیں
دیدہ بردار ایکہ دیدی شوکتِ بیت الحرام

قیصران روم سر برخاک وخاقان برزمین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریخت
ہم بران جائے کہ سلطاناں نہادندے جبیں
باش، تا فردا بہ بینی روز داد ورستخیز
کز لحد با روئے خوں آلودہ برخیزد دفیں
سعدی

~~~~~~

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
ما قبلہ راست کردیم بہ طرف کج کلاہے — خسرو
(حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی طرف اشارہ ہے۔ جہانگیر نے
لکھا ہے کہ ملا علی دہرکن کی جان اس شعر کے پڑھنے پر جاتی رہی۔)

~~~~~~

بہ تقوی نام نیکو بردہ بودم — نکو رویاں مرا بدنام کردند
(حسن)

~~~~~~

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست — ما زندہ ازانیم کہ آرام گیریم
(غالب)

~~~~~~

الٹی پڑ گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا، اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی
چاہیں جو کچھ آپ کریں ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا
میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو تم اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

میر

جی میں تھا اُس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا جائیگا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ   دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا؟
(سودا)

قطعہ

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے (غالب)

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (اقبال)

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں
حالی

بیقراری تھی سب اُمید ملاقات کیساتھ
اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

قمارِ محبت میں بازی سدا — وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا
(میر حسن)

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو (غالب)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا ‹‹

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھپر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں ‹‹

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا (غالب)

آنکھیں نہیں چہرے پہ ترے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے (آتش)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی (انیس)

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چُنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو
انیسؔ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
نہیں نہ ٹھیس لگے، دل کے آبگینوں کو ״

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز
(غالب)

اک ٹیس جگر میں اٹھتی ہے اک درد سا دل میں ہوتا ہے
ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے (شاد)

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے ״

مانگا کرینگے اب تو دعا ہجر یار کی — آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ
(آتش)

ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
خم و سبو کی بھی ٹھہرے گی دور جام کے بعد (آسی)

محال بندگی عشق ہے خداوندی — کہ ایک زن نے مہ مصر سا غلام کیا

میر درد
تہمتیں چند اپنے اوپر دھر چلے — کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے
شمع کے مانند ہم اس بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
(درد)

اس طرح طے ہم نے کی ہیں منزلیں
گر گئے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے (حیدر علی نظم طباطبائی)

جلوں کی بری آہ ہوتی ہے پیارے تم اس سوز کی اپنے حق میں دعا لو
(سوز)

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (ذوق)

کوئی مشکل نہیں رہتی ہے مشکل محبت ہے اگر مشکل کشا کی
(سوز)

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا (غالب)

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں (غالب)

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے جواب میں

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیے
کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

زندگی اپنی جب اس طرح سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

تو، اور آرائش خم کاکل   میں، اور اندیشہ ہائے دور و دراز

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

ہمارے بعد بہت روئینگے ہم کو اہل وفا   کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا
شیفتہ

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے عزیز ہو آئے کرے شکار مجھے

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار ــــ رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے
(غالب)

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے (مومنؔ)

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی ــــ وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی سو بگڑی تھی، خبر لیجئے دہن بگڑا (آتشؔ)

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں! (غالب)

فلک سے ہم کو عیش کا کیا کیا تقاضہ ہے
متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن کو "

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ــــ کچھ ہماری خبر نہیں آتی
(غالب)

گالی سے کون خوش ہو مگر حسنِ اتفاق   جو اسکی خو تھی وہ ہی مرا مدعا ہوا

اذاں دی کعبہ میں، ناقوس دیر میں پھونکا   (مضطر سلطان)
کہاں کہاں ترا شیدا تجھے پکار آیا   (آسی)

جسے وہ دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو   کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو
(غالب)

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں   (سودا)

جانے دے اے تصورِ جاناں، نہ کر تلاش   ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں دشمن کے گھر ملے
(سالک)

بس ہجومِ نا امیدی خاک میں مل جائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ لاحاصل میں ہے   (غالب)

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

کعبہ ہوکر بتخانہ ہے جلوۂ جانانہ　　کعبہ تو ہوا کعبہ بتخانہ کو کیا کہیے
(اثر)

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں　(داغ)

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے　　یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا
(میر)

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر　(غالب)

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
(ذوق)

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی　　بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے　　کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
(آتش)

رباعی

دھونے کی ہے اے ریفارمر جا باقی　　کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبہ باقی
دھو شوق سے کپڑے کو پر اتنا نہ رگڑ　　دھبہ رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی
(حالی)

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے — فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے
(انیس)

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ؟
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو ! (غالب)

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور — نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی
(مولانا محمد علی)

جس لب کے غیر بوسے لیں، اُس لب سے شیفتہ
کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے ! (شیفتہ)

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے ! "

خموشی میں مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے
یہی خواہانِ مے کی میکدہ میں دھوم ہے ساقی
دعاؤں پر مری چاروں طرف آمین ہوتی ہے (شاد)

آپ نے مسّنی الضّر کہا ہے تو صحیح — یہ بھی اے حضرتِ ایوب گلہ ہی کہ نہیں؟
(غالب)

تُمنا ہی فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی — عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود ،،
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں (غالب)

قطعہ

عوض نہ لے مرے جرم و گناہ بیحد کا
الٰہی تجھکو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج
یہ اس کا بندہ ہی جس کو کریم کہتے ہیں (وزیر لکھنوی)

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما — فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما
(لا اعلم)

مرے گناہ زیادہ ہیں یا تری رحمت
کریم تو ہی بتادے حساب کرکے مجھے . لا اعلم

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب　　ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا　　نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

دماغِ عطر پیراہن نہیں ہے　　غمِ آوارگی ہائے صبا کیا

(غالب)

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ!　　یہ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا؛

(سودا)

رخِ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہیں

اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

(داغ)

مے خانہ کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ

ورنہ ہر ایک پوچھتا' حضرت اِدھر کہاں؟

عزیز۔ مراد آبادی

حالی:۔

تعزیر جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب　　بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا * اب پیا چشمۂ بقا تو نے !

کون سا دل ہے جس میں خانہ خراب! خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا!
(درد)

مرگ اِک ماندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر
(میر)

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ ؟ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں!
(شیفتہ)

سرو و قمری میں ہے جھگڑا کہ وطن کس کا ہے
کل بتا دیگی خزاں آکے چمن کس کا ہے
فیصلہ گردشِ دوراں نے یہ سو بار کیا
مَرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
حالی

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل نسیمِ صبح! تیری مہربانی!
لا اعلم

قدم بروں منہ از جہل یا فلاطون شو
کہ گر میانہ گزینی سراب و تشنہ لبی ست
عرفی

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے   جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
میر

مقصد ہے ناز و غمزہ، ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفت گو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

~~~~~~~~

گو ہاتھ میں جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے   "

~~~~~~~~

ہے ریاض اک جوانِ مست خرام   نہ پیئے اور جھومتا جائے
ریاض

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے: درد

~~~~~~~~

رہا ہوں رندوں میں بھی اور پارسا بھی میں   مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک
(الااعلم)
مت رنج کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد   دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا
(میر)
~~~~~~~~

آتی اسی حسرت میں مرے اور جیے ہم بے پردہ نظارہ ہو کہیں دیدۂ تر سے

اُن کے آتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بعد پوچھے کوئی "ہل اتیٰ فی علی ؟
تو کہدو کہ ہاں "ہل اتیٰ فی علی" (حالی)

"ہل اتیٰ" قرآن کی ایک آیت بھی ہے "وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلیٰ حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا" حضرت علی کا مشہور قصہ کہ آپ نے تین روٹیاں یتیم، مسکین اور قیدی کو دیدیں اور خود بھوکے رہے، گمان ہے کہ یہ آیت آپ کی ہی شان میں آئی۔

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ اُلٹا مرے چاکِ گریباں کا (میر)

رباعی

ہندو نے صنم میں جلوہ دیکھا تیرا — آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا
(حالی)

قطعہ

قدیم وضع پہ قایم اگر رہوں اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا
جدید وضع اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا
ادھر یہ ضد ہے کہ لیمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
ادھر یہ شور کہ ساقی صراحیٔ مے لا
ادھر ہے دفترِ تدبیرِ مصلحت ناپاک
ادھر ہے وحی و کرامت کی ڈاک کا تھیلا
غرض دو گونہ عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ
(اکبر)

نہ پوچھ مجھ سے وہ عالم کہ صبح نیند سے اٹھ کر جب انکھڑیوں کو وہ ملتا ہوا خمار میں آئے

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا (جرات)

معلوم ہوا بس تری پہچان یہی ہے۔ (اکبر)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس (غالب)

یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا (آتش)

ہوگا کوئی ایسا بھی جو غالب کو نہ جانے شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

انیس حیدرآباد بلائے گئے، وزیر اعظم چندو لال کو ان کا مرثیہ سننے کا از حد اشتیاق تھا۔ وہاں کے دستور کے مطابق وزیر کے دربار میں خداوند کہنا پڑتا تھا۔ انیس نے یہ شعر بھیج دیا اور چلے آئے :-

دانا کہوں انکو یا خردمند کہوں یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں،

اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے انیس کس منہ سے میں بندے کو خداوند کہوں

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل — جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
(غالب)

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کر اٹھے (مومن)

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کیلئے

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا — پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
(غالب)

پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا پنڈت ہوا نہ کوئے
ڈھائی اکھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے (کبیر)

کانکر پاتھر جوڑ کے مسجد لئے چنائے
تا چڑھ ملا بانگ دے، یا بہرا ہوا کہدائے ؟ 〃

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے — چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے
(داغ)

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا   کیا تم جوان ہوکے بڑے آدمی ہوئے
سراج الدین خاں آرزو

(کبیر)
ہر را کھے ہر جات ہے، ہر کاٹے ہر ہوئے
جیسے باتی دیپ کی، کٹے اوجیارا ہوئے

دکھ میں سُمرن سب کریں سکھ میں کرے نہ کوئے
جو سکھ میں سمیرن کرے تو دکھ کاہے کو ہوئے
"

اَچھے دن پاچھے گئے، اگر وسے کیا نہ ہیت
اب پچھتاوا کیا کرے، چڑیا چگ گئی کھیت
"

کال کرے سو آج کر، آج کرے سو اب
پل میں پرلے ہوئیگی، بہوری کریگا کب؟
"

ایک محروم چلے میر ہمیں دنیا سے   ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ
میر

ماٹی کہے کمہار کو تو کیا روندے موہیں ۔ اک دن ایسا ہوئے گا میں روندوں گی توہیں

جاتی نہ پوچھ سادھو کی، پوچھ لیجیے گیان
مول کرو تلوار کا، پڑا رہن دو میان

آئیں ہیں سو جائیں گے، راجا، رنک، فقیر
ایک سنگھاسن چڑھ چلے، ایک بندھے زنجیر

مرے تو مری جائے چھوٹی پرے جنجار
ایسا مرنا کو مرے، دن میں سو سو بار

پریتم کو پاتیاں لکھوں، جو کہیں ہوئے بدیس
تن میں، من میں، نیناں میں، تاکو کہاں سندیس

پیا چاہے پریم رس راکھا چاہے مان ۔ ایک میان میں دو کھڑگ دیکھا سنا نہ کان

نیناں کی کاری کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے   پلکوں چک ڈاری کے پیتم کو لیا رجھائے

کبیر

پانی ملے نہ آپ کو، اورن بکست چھیر!

آپن من نس چل نہیں اور بندھاوت دھیر! ،،

کبیر ہنسنا دور کر، رونے سے کر چیت

بن روئے کیوں پائے پریم پیارا میت ،،

سکھیا سب سنسار ہے، کھاوے اور سووے

دکھیا داس کبیر ہے، جاگے اور رووے ،،

جب میں تھا تب گرو ناہیں، اب گرو ہیں ہم ناہیں

پریم گلی اتی سانکری۔ تا میں دو نہ سما ہیں ،،

سپنے میں سائیں ملے، سوت لیا جگائے   آنکھ نہ کھولوں ڈرپتا سپنا ہوئے جائے

،،

رگھو کل ریت سدا چلی آئی   پران جائیں پر وچن نہ جائیں
(تلسی داس)

جب تو آیا جگت میں لوگ ہنسیں تو روئے
اب ایسی کرنی کر چلو جو داں ہنسی نہ ہوئے   کبیر

میں اور رئے ناب مرا منہ یہ کہاں ہے   تلچھٹ بھی اگر دے کرم پیر مغاں ہے
(آسی)

گرہ کیسی لگی تھی، کھل گئے کس راہ میں تسمے
نظر آتا ہے خالی آج گوشہ تیرے داماں کا   (داغ)

آسی کو بھی بنا ہی کے چھوڑا شراب خوار   جو پارسا ہو صحبت میخوار کیوں کرے

بدنام ہو گے جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو   (میر)

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے   (آزردہ)

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم   میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
غالب

اے برق، تو ذرا کبھی تڑپی، ٹھہر گئی کر کر
یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں
امیر مینائی

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے   مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو
غالب

اس نے بھولے سے کیا نظر ڈالی   عمر ساری خراب کر ڈالی
لاعلم

رنگی کو نارنگی کہیں بنے مال کو کھویا   چلتی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

ڈاک دیکھ لیا۔ دل شاد کیا، خوش کام ہوئے اور چل نکلے
(جرات)

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباسِ بہار   بعذر خواہیِ رندانِ بادہ نوش آمد
(لاعلم)

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں میں ہو زیب اختلاف سے
(ذوق)

زغارتِ چمنت بر بہار منت ہاست

کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

(طالب آملی)

پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہگار یہ کہہ دے گناہگار ہوں میں

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں

(سودا)

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
ان کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

(ذوق)

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

(مصحفی)

ظفر احوالِ عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر تھے

من ازاں رنجِ گرانمایہ چہ لذت یابم
کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند!

رنج و غم کی جو بڑی پونجی میرے حصہ میں آئی ہے اس سے
مجھے کیا لذت مل سکتی ہے جبکہ اتنے ہی اندازہ کا صبر بھی مجھے دیا گیا ہے

کسی سے طالب نہاں کس لیے شیخ ریائی ہو ___ اسے کافی ہے اپنی سبحہ تسبیح کا دانا
(آسی)

بند مسدس

رہے مصروف ہم تو سب کے سب باتیں بنانے میں
کہ یورپ دھم سے آکود ا خدائی کارخانے میں
یہ ہم سے بھی گئے گزرے ہوئے تھے اک زمانے میں
مگر دنیا کی دولت پھٹ پڑی ان کے خزانے میں
خدا ہی نے کچھ ان کو رازداں اپنا بنایا ہے
کہ ان اقوام نے نیچر کا رستہ دیکھ پایا ہے

(نذیر احمد)

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور ___ کلبۂ احزاں شود روزی گلستاں غم مخور
(حافظ)

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

(امیر)

نہ ہر درخت تحمل کند جفائے خزاں ___ غلام ہمت سروم کہ ایں قدم دارد
(حافظ)

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے ___ پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے
امیر مینائی

مکن جسم بر مرد بسیار خوار (خورندہ) — کہ بسیار خوار ست بسیار خوار (ذلیل)
(سعدی)

دل کو تھاما، اُن کا دامن تھام کے
میرے دونوں ہاتھ نکلے کام کے

پڑے ہیں صورتِ نقشِ قدم نہ چھیڑو ہمیں — ہم اور خاک میں مل جائیں گے اٹھانے سے
(آسی)

سنبھل کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس دیار میں سودا شکستہ پا بھی ہے (سودا)

رات ہی رات تو اک مردِ خوش اوقات کی رات — گریۂ شوق کی اور ذوقِ مناجات کی رات
(آسی)

یا تو افسر مرا شاہانہ بنایا ہوتا — یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
ورنہ ایسا جو بنایا نہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ذوق دیا تھا مجھکو — عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا
دلکو میرے خم و خمخانہ بنایا ہوتا

اس خرد نے مجھے سرگشتہ و حیران کیا — کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا
تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا
بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا۔

ایک بڈھا چوران مرچن کی پڑیاں بیچا پھرتا تھا اور آواز دیتا تھا "ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا" بہادر شاہ ظفر نے اسے سنا اور اس پر مصرعے لگائے۔ گلی گلی میں مشہور ہو گئے اور بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ صرف دو بند مل سکے جو ذیل میں درج ہیں:۔

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا
کنجڑے کی سی ہاٹ ہے دنیا جنس ہے ساری اکھٹی
میٹھی چاہے میٹھی لے لے، کھٹی چاہے کھٹی
لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا
روپ رنگ پر بھول نہ دل میں دیکھ عقل کے بیری
اوپر میٹھی نیچے کھٹی۔ انبوا کی سی کیری
لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

ایک فقیر صدا کہتا تھا "کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا"۔ بہادر شاہ ظفر نے سنا، بہت پسند آئی۔ انہوں نے اس پہ بارہ دوہرے لگائے، مدتوں تک دلی میں گھر گھر سے اسی کے گانے کی آواز آتی تھی اور گلی گلی میں لوگ گاتے پھرتے تھے:-

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

محتاج خدا ہی یا پاک نمازی ہے ۔۔۔ کچھ کر نہ نظر اس پر واں نکتہ نوازی ہے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا کے کیا کرتا ہے سینکڑوں تو دھندے ۔۔۔ پر کام خدا کا بھی کر لے کوئی یاں بندے

کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا

دنیا ہے سرا۔ اسمیں تو بیٹھا مسافر ہے ۔۔۔ اور جانا ہے یاں سو جانا تجھے آخر ہے

کچھ راہ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

جو رب نے دیا تجھکو تو نام پہ دے رب کے ۔۔۔ گر یاں نہ دیا تو نے واں لیوےگا کیا بندے

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

دیویگا اسی کو تو وہ جسکو ہے دلواتا ۔۔۔ پر ہے یہ ظفر تجھکو آواز سنا جاتا

کچھ راہِ خدا دے جا۔ جا تیرا بھلا ہوگا

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جو حشر ہوا اس پر نظر کرتے ہوئے ان کے کلام میں اثر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

زیر بارند درختاں کہ تعلق دارند   اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد
(حافظ)

عاشق ہیں ہم کو مدنظر کوئے یار ہے
کعبہ مے حاجیوں کو مبارک زیارتیں   (آتش)

فریب حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ، بت سے برہمن بگڑا   〃

دین شیخ نہ برہمن نے کیا یار فراموش
یہ سبحہ فراموش، وہ زنار فراموش
دیکھا جو حرم کو تو نہیں دیر کی وسعت
اس گھر کی فضا کرگیا معمار فراموش   سودا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل گئی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا
ناجی

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
سودا

دیکھا جو باغِ دہر تو مانندِ صبح و گل
کم فرصتی ملاپ کی باہم بہت ہے یاں
"

نہ بولا ہے نہ بولے گا کدھی کو زمیں کی زلف بولا میں ندی کو
(میاں فضلی)

خاموش جو اتنا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو
اک عرضِ تمنا ہے کہ آ لب پہ اڑی ہے
سودا

قطرہ وہی کہ رو کش دریا کہیں جسے یعنی وہ میں ہی کیوں نہ ہوں تنہا کہیں جسے
(آسی)

جگنو میاں کی دُم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

راجہ شتاب رائے (پٹنہ) کے دربار کا ایک پر لطف قصہ بھی اس شعر

سے متعلق ہے۔

صحبت گل ہو فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی
آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی
آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا گل کا ہے
پھر کہاں کل اس کو جب گل ہو ذرا بگڑی ہوئی
دل شکستوں کا سخن ہووے نہ کیونکر نادرست
ساز بگڑے ہے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی (لا اعلم)

ہنگامہ ۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی سوسائٹی کا جو حال تھا غالباً اسی پر کسی نے کہا تھا۔

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہ ہو ۔۔۔ اس غمکدہ میں آہ دل خوش کہیں نہیں (امیر)

فقیرانہ آئے، صدا کر چلے ۔۔۔ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست ۔۔۔ کہ سلطان جہاں با ماست امروز
(لا اعلم)

ہوں تو سنّی پہ علی کا صدقِ دل سے ہوں غلام
خواہ ایرانی کہو تم، خواہ تورانی ... مجھے

مرزا مظہر جانِ جاناں

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید
(حافظ)

نہیں ہے دوست اپنا یار اپنا مہرباں اپنا
سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا بیاں اپنا
مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جاں اپنا

سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا
کہا کہ اب تو اسے گاڑ دو، ہوا سو ہوا
یہ دردِ عشق ہے میرا نہیں علاج طبیب
ہزار کوئی دوائیں کرو، ہوا سو ہوا
بھلے برے کی ترے عشق میں اڑا دی شرم
ہمارے حق میں کوئی کچھ کہو، ہوا سو ہوا (تاباں)

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہمکو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

(میر)

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے ؟ وہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

(انشا)

جنوں پسند ہی مجھکو ہوا ببولوں کی عجیب بہار ہی ان زرد زرد پھولوں کی
جو خاص بندہ ہیں وہ بندۂ عوام نہیں ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

(ناسخ)

ہے یہ تمنا میرے جی میں، یوں تجھے دیکھوں بادہ کشی میں
ہاتھ میں ساغر، بر میں مینا، سر پہ طرہ، ہار گلے میں

(شاہ نصیر)

ہے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا ہم الٹے، بات الٹی، یار الٹا
(مہتاب رائے کو الٹ کر دیکھو) (مومن)

کہیں تجھکو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا
خجل اپنے گناہوں سے ہوں میں یاں تک کہ جب رویا
تو جو آنسو مری آنکھوں سے نکلا سو عرق ہو نکلا

(ذوق)

بیانِ دردِ محبت جو ہو تو کیونکر ہو
زبان دل کے لئے ہے نہ دل زباں کیلئے
جبیں کے جو منہ ہی پہ ہے حج کعبہ اگر
تو بوسے ہم نے بھی اس سنگ آستاں کیلئے
جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں بکتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کیلئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزوِ ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

رہے اک بانکپن بھی بے دماغی میں تو زیبا ہے
بڑھا دو چین ابرو پر ادائے کج کلاہی کو

(لا اعلم)

خراب کیوں نہوا اس شہر دل کی آبادی
ہمیشہ لوٹنے والے ہی اس دیار میں آئے
بہ یک کرشمہ جو بے اختیار کر ڈالے
وہ عشوہ ساز کسی کے کب اختیار میں آئے
جرأت

رشک فرمائے دلم نیست بجز عیش حباب
یا دفت یک پیرہن ہستی و آن ہم کفن است

ارادت خاں واضح

ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے ہم آشنا جنگ و آشتی سے
اگر نہ ہو یہ تو پھر کسی سے نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے
کوئی ہے کافر کوئی مسلماں جدا ہر اک کی ہے راہ ایماں
جو اس کے نزدیک رہبری ہے وہ اس کے نزدیک رہزنی ہے
نہیں ہے قانع کو خواہش زر وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانند کیمیاگر ہمیشہ محتاج دل غنی ہے
لگا نہ اس بت کدہ میں تو دل یہ ہے طلسم شکست غافل
کہ کوئی کیسا ہی خوش شمائل صنم ہو آخر شکستنی ہے

(ذوق)

اکدن وہ تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے ۔ پھر یہ ہوا گذرنے لگے کھیل کود کے
اب حال یہ ہے عالم پیری میں اے ظفر! ۔ باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (غالب)

مجھکو ہر ذرہ میں خورشید نظر آتا ہے / تم بھی ٹک آنکے دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں / کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

سودا

پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
جرم ہے اس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر؟
کوئی تو بولو میاں! منہ میں زباں ہے کہ نہیں

قطعہ

پوچھا سودا سے میں اک روز کہ اے آوارہ / تیرے رہنے کا معین بھی مکاں ہے کہ نہیں
یاس بہت ہو کے برآشفتہ لگا وہ کہنے / کچھ تجھے عقل سے بھی بہرہ میاں ہے کہ نہیں؟
دیکھا میں قصر فریدوں کے در اوپر اک شخص
حلقہ زن ہو کے پکارا کوئی یاں ہے کہ نہیں؟

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار   دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار

جو بے ہمت تھے، ہو گئے وہ مجبور   جو باہمت تھے ہو گئے وہ مختار!

(حالی)

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں   مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے   زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

(غالب)

ہو کوئی بادشاہ یہاں یا وزیر ہو   اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

حد سے زیادہ ظلم و ستم خوشنما نہیں   ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو

(میر)

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ

دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

دینا وہ اس کا ساغر مے یاد ہے نظام

منہ پھیر کر ادھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ   نظام

ملنے لگے ہو دیر دیر، دیکھیے کیا ہو کیا نہیں

تم تو کرو ہو صاحبی، بندے میں کچھ رہا نہیں

(میر)

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

(غالب)

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے
ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے

(غالب)

خوبوں میں دل دہی کی روش کم بہت ہے یاں
خواہانِ جان جو ہو تو عالم بہت ہے یاں
آنکھوں میں دم اس آئینہ رو کو جگہ و لے
ٹپکا کرے ہے بسکہ یہ گھر نم بہت ہے یاں
غافل نہ رہ تو اہلِ تواضع کے حال سے
تیغ و کماں کی طرح خم و چم بہت ہے یاں

(سودا)

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
کام تھے عشق میں بہت پر میر ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

ہر داغِ معاصی مرا اس دامن تر سے
جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اٹھ نہیں سکتا

کیوں اتنا گراں بار ہے جو رخصتِ سفر ہے
اے راہروِ ملکِ عدم اٹھ نہیں سکتا

(ذوق)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

(غالب)

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں اسکے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

(غالب)

نہ تھی عیب کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا
ظفر آدمی اسکو نہ جانیئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہے، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

ظفر

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم
کر دیا کافرِ اصنامِ خیالی نے مجھے

ایک سولہ برس کے لڑکے نے ایک مشاعرہ میں غزل پڑھی جس کا
ایک شعر یہ تھا کہ :-

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سودا موجود تھے، انہوں نے کہا میاں صاحبزادے تم جوان ہوتے دکھائی
نہیں دیتے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لڑکا آگ سے جل کر مر گیا۔

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے

غالب

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے — طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم — اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے
یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے — یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے

غالب

اکڑ کے روش پہ کیونکر نہ زلف ناز کرے
اسی کے ہاتھ ہے وہ جس کو سرفراز کرے
بہ یک اشارہ نہیں تھا نہ غیر محفل میں
ان ابروؤں کی خدا زندگی دراز کرے
کہیں تو جام دھرا ہے، کسی جگہ ساغر
کدھر جھکائے سر انساں؟ کدھر نماز کرے

شاد عظیم آبادی

ہے آج جو سرگذشت اپنی — کل اس کی کہانیاں بنیں گی!

(میر)

ایں قدر کز تو نہ لے چند شود شاد بس است

زندگانی بہ مرادِ ہمہ کس نتواں کرد (صائب)

(اگر زندگی میں تو چند دلوں کو خوش کرے تو یہ بس کرتا ہے کیونکہ ہر آدمی کی پسند کے مطابق زندگی بسر نہیں کی جاسکتی۔

ونحنُ اُناسٌ لاَ توسُّط بَینَنا

لنا الصدر دون العالمین او القبر

(ہم ان لوگوں میں ہیں جن کے لئے بیچ کی جگہ کوئی نہیں ہوتی۔ یا تو ہمارے لئے تمام دنیا سے اونچی جگہ ہونی چاہئے یا پھر زمین کے نیچے قبر!)

زدم از کتمِ عدم خیمہ بہ صحرائے وجود

از جمادی بہ نباتی سفرے کردم ورفت

بعد از انم کشش نفس بہ حیواں می برد

چوں رسیدیم بہ وے از گزرے کردم ورفت

بعد ازاں در صدفِ سینۂ انساں بہ صفا

قطرهٔ ہستی خود را گہرے کردم و رفت

با ملائک پس ازاں صومعهٔ قدسی را

گرد برگشتم و نیکو نظرے کردم و رفت

بعد ازاں رہ سوئے او بردم و چوں ابن یمین

ہمہ او گشتم و ترک دگرے کردم و رفت (ابن یمین)

(عدم کی پوشیدگی سے نکل کر میں نے ہستی کے صحرا میں خیمہ لگایا۔ میں نے جمادات سے نباتات کی طرف سفر کیا اور گزر گیا۔ پھر نفس کا کھچاو مجھے حیوان کی منزل کی طرف کھینچ لے گیا۔ وہاں پہونچا اور وہاں سے بھی گذر کر آگے نکل گیا۔ اب میں انسان کے دل کی سیپ میں پہونچ گیا اور میں نے اپنی ہستی کی بوند کو موتی بنایا اور پھر وہاں سے بھی گزر گیا۔ اس کے بعد میں فرشتوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں ان میں شریک ہو کر پاکی و عظمت کے گھر کا طواف کرتا رہا مگر پھر اس منزل سے بھی آگے گزر گیا۔ بالآخر میں اس کی طرف چلا اور ہمہ تن وہی ہو گیا اس کے سوا اور جو کچھ تھا اس کو میں نے ترک کر دیا۔ یہ حالت بھی پیش آئی اور گزر گئی)

ڈارون اور ویلیس سے چھ سو برس پہلے ابن یمین نے تصوف کے پیرایہ میں یہ حقیقت واضح کی تھی۔ ابن یمین آٹھویں صدی ہجری میں تھا۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا　　یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

پھر اس انداز سے بہار آئی　　کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ پاک　　اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی　　بن گیا روئے آب پر کائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر　　بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

(غالب)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار　　یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
جبکہ تجھ بن نہیں کوئی معبود　　پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟　　غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں　　ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
"ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا"　　اور درویش کی صدا کیا ہے

(غالب)

درد منت کشِ دوا نہ ہوا   میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں   تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(غالب)

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے   تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں   مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
کبھی حقیقتِ جاں کاہیِ مرض لکھیے   کبھی مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے   کبھی حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
سفینہ جبکہ کنارے پہ آ لگا غالب   خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے   نالہ پابندِ نے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے   پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی   ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب   آخر تو کیا ہے ہاے "نہیں" ہے!

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے　　وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایامِ گل　　کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید　　ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

غالب

آمدِ بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج　　اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں　　کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر　　کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہم ہوئے، اتنے ہی کم ہوئے
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے،
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہر اک بات پہ کہتے تم کہ تو کیا ہے　　تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے
جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا　　کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل　　جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار　　یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی　　تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

دینٌ وکفرٌ وقرآنٌ یُنَصُّ بھا　　اسفارُ مِللٍ وتوراتٌ وانجیلُ
فی کُلِّ جیلٍ اباطیلٌ یُدَانُ بھا　　فَھَل تفرَّدَ یوماً بالھدیٰ جیلُ؟
(ابوالعلا معری)

(دین ہے اور کفر ہے۔ قرآن ہے جو اس بارے میں حکم دیتا ہے۔ قوموں کی مذہبی کتابیں ہیں، اور تورات ہے اور انجیل ہے۔

دنیا کے ہر دور میں ایک نہ ایک خرافات رہی ہے جس پر لوگ عمل کرتے رہتے ہیں۔ کیا کسی دور میں ایک دن بھی ایسا گزرا ہے جب لوگوں نے حقیقت پر عمل کیا ہو؟)

اس سے خیال کیا جاسکتا ہے کہ عربی خلافت کے زمانہ میں آزادیٔ خیال کہاں تک پہونچ چکی تھی اور کہاں تک برداشت کی جاتی تھی۔ ابوالعلا معری تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوا تھا۔

عجبتُ لکسریٰ اشیاع ۤ و غسل الوجوہ ببول البقر
وقومٌ اتوا من اقاصی البلاد لرمی الحجار ولثم الحجر
فواعجباً من مقالاتھم ایُعمی من الحق کلّ البشر

(۱) کیا حیرت ہوئی مجھے کسریٰ (خسرو) اور اس کی جماعت پر اور اس پر کہ گائے کا پیشاب منہ پر ملتے ہیں۔ (۲) اور پھر وہ لوگ جو دنیا کے دور دراز کونوں سے جمع ہوئے ہیں تاکہ کنکریاں پھینکیں اور ایک پتھر کو بوسہ دیں! (۳) حیرت پر حیرت اور افسوس پر افسوس! کیا پوری انسانی نسل حقیقت کی طرف سے اندھی ہو گئی ہے۔

ابوالعلا معری

تداویتُ من لیلیٰ بلیلیٰ عن الھویٰ
کما تیدّاوی شارب الخمر من خمر

(میں نے لیلیٰ کے عشق کی مصیبتوں کا علاج بھی لیلیٰ کے عشق ہی سے کیا۔ جس طرح شراب پینے والا شراب کے خمار کا علاج شراب ہی سے کرتا ہے)

(قیس عامری)

کم لذتم و نعیمتم افزوں ز شمار است گوئی ثمر پشیز از باغ وجود م

(میں لذت میں بہت کم لیکن قیمت میں بہت زیادہ ہوں۔ گویا میں ایسا
پھل ہوں جو وجود کے باغ میں فصل سے پہلے پیدا ہو گیا!)

(حکیم صدرائے شیرازی)

عشق سوں دل کو رکھ محزوں — یہ دنیا سب مکر و فسوں
جو توں چاہے خالق کوں — اس دنیا سوں ہو بیروں
کہاں کی بڑھیا کہاں کا توں
چل رے چرخے چرخ چوں

دنیائے دنی کو جو کوئی فانی سمجھے — اور قصۂ عمر کو کہانی سمجھے
دریائے حقیقت کو وہی جائے تیر — جو مثلِ حباب زندگانی سمجھے

(لا اعلم)

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر — گویانم و خاموشم چوں خط بہ کتاب اندر
در سینۂ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد — ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی

اے بروں از وہم و قیل و قال من — خاک بر فرقِ من و تمثیل من!
لا اعلم

حدیث عشق و سرمستی ز من بشنو نہ از واعظ
کہ با جام و سبو ہر شب قرین ماہ و پروینم

(حافظ)

سمجھ، جائے عشرت کی دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
غنیمت سمجھ صحبت چند روزہ   جو گذرا ادھر بار وہ پیدا نہیں ہے

(غالباً والد مرحوم)

قيل ان الله ذو ولد   قيل ان الرسول قد كهنا
ما نجى الله والرسول معاً   من لسان الورى فكيف أنا

کشتی جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است   ڈگمگ ڈگمو می کند از یک توجہ پار کن

(جعفر زٹلی)

زرداری و یک پیسہ دہی در رہ مولا   از حضرت حق اجر بہ پھسلوہ نہ باشد
در زٹلی تا بہ خوردی گو بیدا –

(جعفر زٹلی)

رہی وہ اک اورنگ شاہ دلی   در اقلیم دکھن پڑی کھلبلی
وریں پیر سالی و ضعف بدن   مچا تی دیا چوکڑی در دکھن

درحق شہر بیجاپور می فرماید :-

عجب روپ ایں شہر بیجاپور است   کہ ہر برج او مثل بھنسا سر است
عجب قلعہ دیدہ شد بے لگاؤ   کہ انگشت رانیست بروے ٹکاؤ

(جعفر زٹلی)

پٹ نقش بر آب ہے یہ جہاں   ٹک اک آن میں ہم کہاں تم کہاں

(محمد فقیہ دردمند)

اکسیر پہ ہوس اتنا نہ ناز کرنا   ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

(خواجہ درد)

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا   تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی   ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

(خواجہ درد)

شیخ کعبہ ہو کے پہونچا ہم کنشت دل میں ہو   درد منزل ایک تھی پر راہ کا ہی پھیر تھا

میر داؤد

محمد مصطفےٰ کی یاد بستی   مرا دل قلعۂ احمد نگر ہے
(قلعہ احمد نگر میں قید ہونے کے زمانے میں یہ شعر درج کیا گیا۔ محمد و احمد کی رعایت پر نظر کرو)

خسروا درعشق بازی کم ز ہندو زن مباش
کز برائے مردہ می سوزند جان خویش را

خسروؔ ایسی بیت کر جیسے ہندو جوے   پوت پرائے کارنے جل جل کوئلا ہوئے

رائے لچھمی نرائن تخلص شفیق "وقصاحب" اپنی کتاب چمنستان شعرا ۱۳۰۰ھ ہیں ہاشم دکھنی کے احوال صفحہ ۲۰۱ میں لکھتے ہیں کہ "ہاشم دراشعار خود بموجب ضابطہ ہندی اظہار عشق از طرف زن می نماید.... طرفہ تر آنکہ در کلام مجید قصہ عاشقی زن بر مرد واقع شدہ یعنی قصہ یوسف علیہ السلام" خوب بات پیدا کی +

مرزا مظہر جانِ جاناں کی بزرگی مسلم الثبوت ہے۔ ترکی میں انہیں کے نام پر طریقہ "مظہریہ" جاری ہو جس کے بہت سے لوگ حلقہ بگوش تھے۔ مثنوی رومی کا یہ شعر پانچسو برس پہلے معلوم ہوتا ہے۔ گویا خاص انہیں کے لئے کہا گیا تھا۔ دونوں بزرگوں کی کرامت کا نتیجہ ہے۔ مرزا جان جاناں کے والد کا نام مرزا جان تھا، اور خود مرزا جان جاناں کا تخلص مظہر تھا۔ ؎

جان را اول "مظہر" درگاہ شد   جان جاں خود مظہر اللہ شد

اصلی نام جان جاں تھا۔ لوگ جان جاناں پکارنے لگے تھے۔ آنحضرت ؐ

نے حضرت جعفر طیار کی شہادت کی خبر پاکر فرمایا تھا: "عاش حمیداً ماتَ شہیداً" اس حدیث سے مرزا صاحب کی شہادت کی تاریخ نکلتی ہے +

از مثنوی ولی در تعریف بندر سورت :-

بھری ہے سیرت و صورت سے سورت ۔ ہر اک صورت ہے وہاں انمول مورت
ختم ہے امرداں پر رو صفائی وہ ہے ہیشتر حسن لسانی
سبھا اندر کی ہے ہر یک قدم میں چھپا اندر سبھا کو لے عدم میں

مجھے اچرج ہی آوے ہے سجن کے پان کھانیکا بجا نون کیا سبب یا قوت احلی کے رنگانے کا

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین کوئی کہیو جا محمد شاہ سوں

قطعہ

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ
(سعدی)

بگو کہ کثرت اشیا نقیض وحدت نیست   تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست

توحید وجودی

بوئے گل اور رنگ گل اللہ ہی اللہ ہے نسیم
لیک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

میر

عام حکم شراب کرتا ہوں   محتسب کو کباب کرتا ہوں
ٹک تو رہ اے بنائے ہستی تو   تجھ کو کیسا خراب کرتا ہوں

میر

اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے   اگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اسکو خواب آوے
لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے میر نے خط میں   الٰہی نامہ بر کو اس کے لیجانیکی تاب آوے

میر

ملوں کیونکہ ہمرنگ ہو تجھ سے ظالم   ترا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی

میر

تجھ رہ سے محال ہے اٹھانا مجھکو   خبطی کہے کوئی یا سیانا مجھکو
سر میرا لگا ہے نقش پا سے تیرے   سجدے کو خدا کے بھی بچانا مجھکو

میر

مسجد میں تو شمع کو خموشاں دیکھا ــــ مے خانہ میں جوشِ بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے ــــ دیکھا تو محلۂ خموشاں دیکھا

(میرؔ)

نہ آج کل تعیں پرم پیا کا ہمارے من میں کیا ہے ٹھارا
سکھی ازل سیں رہے ہیں لکھا لو ہمیں پیا کے پیا ہمارا

محمودؔ

لوگاں کہیں پتھر سی کچھ سخت نہیں ہے لیکن ــــ جو کوئی پیا سی بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے
محمودؔ تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا ــــ ہے کیا عجب بھاوے تون پیر کو اس مہر سے

محمودؔ

دہلی جو شہر تھا ایک چمن، جسے لوگ کہتے تھے انجمن
وہ نشان اس کا مٹا دیا فقط اب تو اجڑا دیار ہے
وہ رعایا ہند تباہ ہوئی، کہو اُنپہ کیا کیا جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے
ارے بے ظفر تجھے کس کا ڈر تو خدا کے اوپر رکھ نظر
تجھے ہے وسیلہ رسول کا تو وہ ہی حامی دوار ہے

شاہا زکرم برمن درویش نگر — بر حال من خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائق بخشائش تو — بر من منگر بر کرم خویش نگر

شاہ ابوالخیر ابوسعید

کیا بندہ فکر بیش و کم سے ہوگا — ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

(ذوق)

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(سلطان ابوسعید ابوالخیر)

یَاحبیبَ اللہ خُذ بیَدِی — ما لِعجزی سواکَ مُستندی
اِستغیثوا لعاجزٍ مضطرٍ — شمّروا ذیلکم الی المددی

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدا را — دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز — باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را
آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است — با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند   گر تو نمی‌پسندی تغییر کن قضا را

حافظ بخود نپوشید این خرقهٔ می آلود

اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

من از آن حسنِ روز افزون که یوسف داشت دانستم

که عشق از پردهٔ عصمت برون آرد زلیخا را

بدم گفتی و خرسندم عفاک الله نکو گفتی !

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکرخا را

(حافظ)

محرمِ رازِ دلِ شیدائے من   کس نمی بینم ز خاص و عام را

راز درونِ پرده ز رندانِ مست پرس   کین حال نیست صوفی عالی مقام را

حافظا می خور و رندی کن و خوش باش ولے   دام تزویر مکن چون دگران قرآں را

ساقیا برخیز و درده جام را — خاک بر سر کن غم ایام را
از بهر دنیا گذشتنی غم مخور — خوش بخور هم خوش بدار ایام را
صبر کن حافظ ز سختی روز و شب — عاقبت روزے بیابی کام را

بیا که قصر امل سخت سست بنیاد است — بیار باده که بنیاد عمر بر باد است
غلام همت آنم که زیر چرخ کبود — ز هر چه رنگ تعلق پذیرد آزاد است
نشان عهد و وفا نیست در تبسم گل — بنال بلبل مسکین که جاے فریاد است

خلوت گزیده را به تماشا چه حاجت ست — چوں کوے دوست هست بصحرا چه حاجت ست
جانا بحاجتی که ترا هست با خدا — آخر دمے بپرس که ما را چه حاجت ست
اے پادشاه حسن خدا را بسوختیم — بارے سوال کن که گدا را چه حاجت ست
ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست — در حضرت کریم تمنا چه حاجت ست
جام جهان نماست ضمیر منیر دوست — اظهار احتیاج خود آنجا چه حاجت ست
آں شد که بار منت ملاح بردمے — گوهر چو دست داد بدریا چه حاجت ست
محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست — چوں رخت ازان تست بیغما چه حاجت ست

نوبت زهدفروشان گران‌جان بگذشت　　وقت شادی و طرب کردن رندان برخاست
این عیبست کزین عیب خلل خواهد بود　　ور بود عیب چه شد مردم بی عیب کجاست

زاهد ظاهرپرست از حال ما آگاه نیست　　در حق ما هرچه گوید جای هیچ اکراه نیست
چیست این سقف بلند سادهٔ بسیارنقش　　زین معما هیچ دانا در جهان آگاه نیست
صاحب دیوان ما گویی نمی‌داند حساب　　کاندرین طغرا نشان حسبةً لله نیست
هر که خواهد گو بیا و هر که خواهد گو برو　　گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاه نیست
هرچه هست از قامت ناساز بی اندام ماست　　ورنه تشریف تو بر بالای کس کوتاه نیست
بر در میخانه رفتن کار یکرنگان بود　　خودفروشان را بکوی میفروشان راه نیست
بندهٔ پیر خراباتم که لطفش دائم است　　ورنه لطف شیخ و زاهد گاه هست و گاه نیست

حافظ ار بر صدر ننشیند ز عالی همتی ست
عاشق دردی‌کش اندربند مال و جاه نیست

گناه گرچه نبود اختیار ما حافظ　　تو در طریق ادب کوش کاین گناه منست

هر وقت خوش که دست دهد مغتنم شمار — کس را وقوف نیست که انجام کار چیست

راز درون پرده ز رندان مست پرس — ای مدعی نزاع تو با پرده دار چیست

مستور و مست هر دو چو از یک قبیله اند — ما دل بعشوهٔ که دهیم اختیار چیست

سهو و خطای بنده گرش نیست اعتبار — معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

زاهد شراب کوثر و حافظ پیاله خواست

تا در میانه خواستهٔ کردگار چیست

در بزم دل از روی تو صد شمع برافروخت — وین طرفه که بر روی تو صد گونه حجاب است

فقیه مدرسه دی مست بود و فتوی داد — که می حرام ولی به ز مال اوقاف است

به درد و صاف ترا حکم نیست دم درکش — که هرچه ساقی ما ریخت عین الطاف است

لطیفه ایست نهانی که عشق از او خیزد — که نام آن نه لب لعل و خط زنگاری ست

جمال شخص نه چشم است و زلف و عارض و خال — هزار نکته درین کار و بار دلداری ست

حسنؓ ز بصره، بلالؓ از حبش، صهیبؓ از روم — ز خاک مکه ابوجهل این چه بوالعجبی ست

عیب رندان مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہِ دگرے بر تو نخواہند نوشت
ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار و چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
ناامیدم مکن از سابقۂ روزِ ازل
تو چہ دانی کہ پسِ پردہ کہ خوب ست و کہ زشت

آہ ازیں نرگسِ جادو کہ چہ بازی انگیخت
وائے ازاں مست کہ با مردمِ ہشیار چہ کرد
ساقیا جامِ میم دہ کہ نگارندۂ غیب
نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آں کہ پرنقش زد ایں دائرۂ مینائی
کس ندانست کہ در گردشِ پرگار چہ کرد

ما ز بیرونِ در شدہ مغرورِ صد فریب
تا خود درونِ پردہ چہ تدبیر می کنند
قومے بجہد و جہد گرفتند وصلِ دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر می کنند
فی الجملہ اعتماد مکن بر ثباتِ دہر
کیں کارخانہ ایست کہ تغییر می کنند

آتش آن نیست که بر شعلهٔ او خندد شمع   آتش آنست که بر خرمن پروانه زدند

این مطرب از کجاست که ساز عراق ساخت   وآهنگ بازگشت ز راه حجاز کرد
حافظ مکن ملامت رندان که در ازل   ما را خدا ز زهد ریا بی نیاز کرد

بباغ تازه کن آیین دین زردشتی   کنون که لاله برافروخت آتش نمرود

صبا وقت سحر بوئی ز زلف یار می آورد
دل شوریدهٔ ما را ز بو در کار می آورد
سراسر بخشش جانان طریق لطف و احسان بود
اگر تسبیح می فرمود اگر زنار می آورد

نه هر که چهره برافروخت دلبری داند   نه هر که آینه سازد سکندری داند
نه هر که طرف کله کج نهاد و تند نشست   کلاه داری و آیین سروری داند
هزار نکتهٔ باریک‌تر ز مو اینجاست   نه هر که سر بتراشد قلندری داند
غلام همت آن رند عافیت سوزم   که در گدا صفتی کیمیاگری داند

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن
که دوست خود روش بنده پروری داند

شهپر زاغ و زغن زیبای صید و قید نیست
کین کرامت همره شهباز و شاهین کرده اند

ترسم که روز حشر عنان بر عنان رود — تسبیح شیخ و خرقهٔ رند شراب خوار
حافظ چو رفت روزه و گل نیز می رود — ناچار باده نوش که از دست رفت کار

دور گردون گر دو روزی بر مراد ما نگشت — دائماً یکسان نماند کار دوران غم مخور
ای دل مشو نومید چون واقف نه‌ای از سر غیب — باشد اندر پرده بازی‌های پنهان غم مخور
هر که سرگردان به عالم گشت و غمخواری نیافت — آخر الامر او به غمخواری رسد هان غم مخور
در بیابان گر به شوق کعبه خواهی زد قدم — سرزنش‌ها گر کند خار مغیلان غم مخور
گرچه منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید — هیچ راهی نیست کو را نیست پایان غم مخور

غرض کرشمهٔ حسن است ورنه حاجت نیست   جمالِ دولتِ محمود را به زلفِ ایاز

میانِ عاشق و معشوق هیچ حائل نیست   تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

آنجا که لطف شامل و خلق کریم تست   جرمِ گذشته عفو کن و ماجرا مپرس
خواهی که روشنت شود احوالِ سرِّ عشق   از شمع پرس قصه ز باد صبا مپرس

ای دل غلام شاه جهان باش شاه باش   پیوسته در حمایتِ لطفِ اله باش
چون احمدم شفیع بود روز رستخیز   گو این تن بلاکش من پر گناه باش
آن را که دوستیِ علی نیست کافرست   گو زاهد زمانه و گو شیخ راه باش
امروز زنده ام بولائے تو یا علی   فردا به روح پاک امامان گواه باش
قبرِ امامِ هشتم سلطان دین رضا   از جان ببوس و بر درِ آن بارگاه باش
مرد خدا که زاهد و تقوی طلب بود   خواهی سفید جامه و خواهی سیاه باش

حافظ طریق زندگی شاه پیشه کن !
وانگاه در طریق چو مردان راه باش

نگویمت که همه ساله می پرستی کن — سه ماه می خور و نه ماه پارسا می باش
چو پیر سالک عشقت به می حواله کند — بنوش و منتظر رحمت خدا می باش
گرت هواست که چون جم بسر غیب رسی — بیا و همدم جام جهان نما می باش
وفا مجوی ز کس ور سخن نمی شنوی — بهرزه طالب سیمرغ و کیمیا می باش
مرید طاعت بیگانگان مشو حافظ
ولے معاشر رندان آشنا می باش

جمال کعبه گر عذر رهروان خواهد — که جان زنده دلان سوخت در بیابانش

جهان و کار جهان جمله هیچ در هیچ ست — هزار بار من این نکته کرده ام تحقیق

درد از یارست و درمان نیز هم — دل فدای او شد و جان نیز هم
اینکه می گویند آن بهتر ز حسن — یار ما این دارد و آن نیز هم
هر دو عالم یک فروغ روی اوست — گفتمت پیدا و پنهان نیز هم
داستان در پرده می گوئی ولے — گفته خواهد شد بدستان نیز هم

اعتبارِ نیست بر کارِ جہاں — بلکہ بر گردونِ گرداں نیز ہم
چوں سر آمد دولتِ شب ہائے وصل — بگذرد ایامِ ہجراں نیز ہم
محتسب داند کہ حافظ مے خورد
و آصفِ ملکِ سلیماں نیز ہم

خسروا(۱) امید جاہ و مال دارم ایں سبب
التماسِ آستاں بوسیِ حضرت می کنم

گفتگو آئینِ درویشی نہ بود — ورنہ با تو ماجراہا داشتیم

الا اے پیرِ فرزانہ مکن عیبم ز میخانہ — کہ من در ترکِ پیمانہ دلِ پیماں شکن دارم
برندی شہرہ شد حافظ پس از چندیں ورع اما
چہ غم دارم کہ در عالم امین الدین حسن دارم

خدا دارم دلِ بریاں ز عشقِ مصطفیٰ دارم — ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
(سر سید احمد خاں مرحوم)

چون آبروی لاله و گل فیض حسن تست   ای ابر لطف بر من خاکی ببار هم

ای خسرو خوبان نظر سوی گدا کن   رحمی بمن سوخته بی سر و پا کن!
دارد دل درویش تمنای نگاهی   زان چشم سیه مست بیک غمزه روا کن
شمع و گل و پروانه و بلبل همه جمع اند   ای دوست بیا رحم به تنهائی ما کن

صبح است ساقیا قدحی پر شراب کن   دور فلک درنگ ندارد شتاب کن
زان پیشتر که عالم فانی شود خراب   ما را ز جام بادهٔ گلگون خراب کن
خورشید می ز مشرق ساغر طلوع کرد   گر برگ عیش می طلبی ترک خواب کن
ما مرد زهد و توبه و طامات نیستیم   با ما بجام بادهٔ صافی خطاب کن

ساقی بیار آبی از چشمهٔ خرابات   تا خرقه ها بشوئیم از عُجب خانقاهی
جائیکه برق عصیان بر آدم صفی زد   ما را چه گونه زیبد دعوی بیگناهی

چون بنی عامر بی مجنون شوند   گر برون آید یکی لیلی ز حی

این خرقه که من دارم در رہن شراب اولیٰ　　وین دفتر بے معنے غرق مے ناب اولیٰ
من حال دل زاہد با خلق نخواہم گفت　　کاین قصه اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ
چون پیر شدی حافظ از میکده بیرون رو
رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولیٰ

جمشید جز حکایت جام از جہان نبرد　　زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی
دہقان سال خورده چه خوش گفت اے پسر　　کاے نور چشم من بجز از کشته ندروی

قبائے حسن فروشی ترا به زیبد و بس　　که ہمچو گل ہمه آئین رنگ و بو داری

شَفِیعٌ مُطَاعٌ نَبِیٌّ کَرِیمٌ　　قَسِیمٌ جَسِیمٌ نَسِیمٌ وَسِیمٌ
(شیخ سعدی)

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ
شیخ سعدی

کرم بین ولطف خداوندگار　　　گنہ بندہ کردہ است او شرمسار

اس کا اشارہ اس آیہ کریمہ سے ہے:۔

یَا مَلَائِکَتِیْ قَدِ اسْتَحْیَیْتُ مِنْ عَبْدِیْ وَلَیْسَ لَہٗ غَیْرِیْ ٭

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　　کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

گلے خوشبوئے در حمام روزے　　　رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری　　　کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم　　　ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(سعدی)

بکوئے میفروشانش بجامے برنمیگیرند　　　زہے سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است　　　کلاہ دلکش است اما بدردِ سر نمی ارزد
بس آساں می نمود اول غم دریا ببوئے تو　　　غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد

چو حافظ در قناعت کوش و از دنیای دون بگذر
که یک جو منت دونان بصد من زر نمی ارزد

راهی بزن که آهی بر ساز آن توان زد ما
شعری بخوان که با او رطل گران توان زد
در خانقه نگنجد اسرار عشق و مستی
جام می مغانه هم با مغان توان زد
شد رهزن سلامت زلف تو وین عجب نیست
گر راهزن تو باشی صد کاروان توان زد
درویش را نباشد منزل سرای سلطان
ما ایم و کهنه دلقی کآتش در آن توان زد
با عقل و فهم و دانش داد سخن توان داد
چون جمع شد معانی گوی بیان توان زد
عشق و شباب و رندی مجموعه مراد است
ساقی بیا که جامی که در این زمان توان زد

چو پردہ دار بہ شمشیر می زند ہمہ را　　کسے مقیم حریم حرم نہ خواہد ماند
غنیمتے شمر ای شمع وصل پروانہ　　کہ ایں معاملہ تا صبحدم نہ خواہد ماند
سرود مجلس جمشید گفتہ اند ایں بود　　کہ جام بادہ بیاور کہ جم نہ خواہد ماند
چہ جائے شکر و شکایت ز نقش نیک و بد است　　کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نہ خواہد ماند

غلام نرگس مست تو تاجدارانند　　خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند
ترا صبا و مرا آب دیدہ شد غماز　　وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند
نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو　　کہ مستحق کرامت گناہگارانند
نہ من بران گل عارض غزل سرایم و بس　　کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

پیر و مرشد حضرت مولانا عبدالعلیم آسی :-

بہت سے اشعار کسی نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کیا کیا نہ اس نے پورے کئے مدعائے دل　　لیکن پسند اسے دل بے مدعا ہوا
اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا　　اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا
شانِ کرم ہے یہ بھی اگر وہ جدا ہوا　　کیا محنتِ طلب میں نہ حاصل مزا ہوا

پیچیدہ تھی جو سر میں ہوائے رضائے دوست
آسی مرید سلسلۂ مرتضےٰ ہوا

کسی میں جو کوئی فنا ہو گیا — نہ پوچھو اس کو آسی وہ کیا ہو گیا
پلائی ہے ساقی نے کیسی شراب — کہ جو رند تھا پارسا ہو گیا
کسی کے نکالے نکلتا نہیں — عدو نے مرا مدعا ہو گیا
جب اس کوچہ میں جا کے رہتا تھا میں — جو چاہا کیا جو کیا ہو گیا
اڑایا ہے کس گل نے رنگ چمن — کہ ہر نخل گلگوں قبا ہو گیا

انا الحق بھلا قول منصور تھا ؟
بتاؤ تو بندہ خدا ہو گیا !

میں جو الزام محبت میں گرفتار ہوا — قید ہی سلسلۂ حیدر کرار ہوا
آپ بھیجا مجھے اور آپ بلایا اس نے — بار احساں سے کسی کے نہ گرانبار ہوا

پوچھتے ہو کہ سِرِّ وحدت کیا — ماسوا کی بھلا حقیقت کیا

ہم نہیں جانتے قیامت کیا — آج اگر تم ملو قیامت کیا
واعظو! اس کو دیکھ لو پہلے — پھر کہو حور کیا ہے جنت کیا
نہ گرے اس نگاہ سے کوئی — اور افتاد کیا مصیبت کیا
نقدِ ہستی نثارِ یار کرے — یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا
عاشقی میں ہے محویت درکار — راحتِ وصل و رنجِ فرقت کیا
جن میں چرچا نہ کچھ تمہارا ہو — ایسے احباب ایسی صحبت کیا
باغِ رضواں بھی باغ ہے آخر — سیرِ گل کے لئے ریاضت کیا
ملنے والوں سے راہ پیدا کر — اس کے ملنے کی اور صورت کیا
بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو — میری سعی اور میری ہمت کیا
اس کے حقدار ہم شرابی تھے — اہلِ تقوے نے ابرِ رحمت کیا
گوشہ گیری حدیثِ نفس کیا تھا — دل ہی مجمع میں ہے تو عزلت کیا
کوئی تیرے سوا کہیں ہے بھی؟ — بدگمانی کی مجھ سے علت کیا
یوں ملوں تم سے میں کہ میں بھی نہ ہوں — دوسرا جب ہوا تو خلوت کیا
اور ہمت بلند کر لے شیخ! — طمع و خوف کی عبادت کیا
آسی مست کا کلام سنو — وعظ کیا، پند کیا، نصیحت کیا

بدرقہ راہِ طلب میں نہیں ہمت کے سوا — راہبر کوئی نہیں جوشِ محبت کے سوا
نظر و ناظر و منظور نہ جب ایک ہوئے — کیا ملا رونہ قیامت میں ندامت کے سوا
تابعِ خواہشِ محبوب ہو خواہش جسکی — رنج و غم پاس نہ آئے کبھی راحت کے سوا
حسنِ صورت کے لئے خوبیٔ سیرت ہے ضرور — گل رہی جسمیں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا

پوچھتے ہو شہِ جیلاں کے فضائل آسی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

پرتوِ عارض سے ہے دریا نور کا — زلف صحرا ہے سکندر پور کا

پل بھی ہے خنجرِ جو نپور آسی — خواب گاہِ جنابِ "شیخو" ہے

اہلِ ہمت کا کبھی بیجا نہ دیکھا اضطراب — عین ہستی ہے برائے موجِ دریا اضطراب
ناصح الدھا ہے جو سمجھا ہے ہمارا اضطراب — صورتِ امواج میں کرتا ہے دریا اضطراب

گریہ رقت دعا بے تابی حسنِ قبول
جیسے پانی دیکھ کر کرتا ہے پیاسا اضطراب

سبحان اللہ

تابِ دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا　　منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا
غیرِ ظاہر نہ مظاہر کی حقیقت سمجھوں　　اتنی تمیزِ میانِ حق و باطل دینا

ہائے رے لطف تری عقدہ کشائی کے مزے　　تو ہی کھولے جسے وہ عقدۂ مشکل دینا
تہمتِ لذتِ غیرِ ہوس کیش غلط!　　آپ معشوق ہیں کیا جانیں بھلا دل دینا
نقدِ جان و دل ادھر دولتِ دیدار ادھر　　ان کو لینا بہت آسان ہے مشکل دینا

دوں پتا دردِ دل میں فانی کا　　بھیس سارا ہے یارِ جانی کا
دردِ دل لطفِ زندگانی کا　　غم سبب عیشِ جاودانی کا
نقشِ پا کو کوئی اٹھا نہ سکا　　دیکھنا زور ناتوانی کا
آبرو ہو جو دل میں رقت ہو　　دیکھ، موتی ہے قطرہ پانی کا

غمزے ہیں جس میں حسن کے عشق ہے اس نگار کا
چوٹ ہے جس میں عشق کی حسن ہے میرے یار کا
لاکھ گلے لگائیں وہ، رنگ نہیں قرار کا

موجۂ بوئے گل ہوں میں ان کے گلے کے ہار کا
طوفِ حرم میں قول تھا تیرے شراب خوار کا
حلقۂ کعبہ دور ہے بادۂ خوش گوار کا
تجھ سے بھی کوئی ماہرو پردے میں چھپ گیا مگر
کچھ سبب آخر اب ہے ترا گریۂ زار زار کا
سرمۂ چشمِ نقشِ پا ہم ہوئے تیری راہ میں
کوئی پیا ہوا نہ ہوا صدمۂ انتظار میں
خورشی گہروں کو پیکر گردشِ آسیائے چرخ
سرمہ بناتی رہتی ہے دیدۂ اعتبار کا
جوشِ بہار و سوزِ عشق اصل میں ایک ہی نہ ہوں
رنگ ہے لالہ زار میں سینۂ داغدار کا
ایک نظر میں جو کرے دونوں جہان کو خراب
دل ہے نظارہ جو اسی آفتِ روزگار کا
محشرِ وعدہ آ ابھی بات ہے اس میرا بھیڑ کی
خون تو اپنے سر نہ لے کشتۂ انتظار کا

جائے طواف حلقۂ دورِ شراب ناب ہو
اے شیخ حرم مرید بنے آسیؔ بادہ خوار کا

ایک قاعدۂ کلیہ

حضرت جعفر صادق نے غالباً علم جفر کی رو سے ایک قاعدہ کلیہ بتلایا تھا جس میں کبھی فرق نہ ہوگا :- یَوْمَ صَوْمُکُمْ۔ یَوْمَ نَحْرِکُمْ۔ یَوْمَ سَنَتِکُمُ الْجَدِیْدَۃ - تمہارا پہلا روزہ۔ تمہاری قربانی کا دن۔ تمہارے سال کا پہلا دن۔ بعد کو آپ نے ۲۷ رجب بھی بڑھایا تھا۔ یعنی :-
ا ر رمضان۔ ۱۰ ر ذی الحجہ۔ ا ر محرم اور ۲۷ ر رجب ہمیشہ ایک ہی دن واقع ہوں گے۔ اگر ا ر رمضان دوشنبہ کو پڑا ہے تو بقیہ تینوں بھی دوشنبہ کو ہوں گے ؎

عاشق کی جاں کنی پہ تنہا نہ یار رویا
جس سنگدل نے دیکھا بے اختیار رویا
ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
بلبل بے نالے کھینچے میں زار زار رویا
(آسیؔ)

رتبہ پایا ہو محبت میں تو اب دل کو سنبھال　　گر پڑیگا صفتِ برق جو بیتاب ہوا
خاکساری سبب آبروئے سالک ہے　　جو ملا خاک میں آنسو دُرِ نایاب ہوا
قابلِ سجدہ ہوا جھک کے ملا جو کوئی　　قدِ خم گشتہ میں پیدا خمِ محراب ہوا

داغ اپنا دیکے آسی نے جو لی راہِ عدم　　بس رہ رو کو چراغِ رہگذر درکار تھا

جب دلِ عاشق کو یارائے شکیبائی نہ تھا　　حشر کا وعدہ کبھی طورِ دلآرائی نہ تھا
لالۂ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا　　باغ میں ہر پھول تیرے حسن کا آئینہ تھا
حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو　　سچ ہے تجھ سے دلربا کو لطفِ تنہائی نہ تھا
آگیا بارے خیالِ وعدۂ فردائے حشر　　لے لی کروٹ انیسِ کنجِ تنہائی نہ تھا
اب نہ ہی یکبیں ل شیدا میں کسی کی شکل ہے　　مبتلا کرنا مرا شایانِ یکتائی نہ تھا
رہ گئے آسی یہ پوچھتا تھا کب قیامت آئیگی　　کس طرح کہیئے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

خونِ ناحق گردنوں پر ہے لیا منصور کا　　مدعی قولِ "انا الحق" کا رگِ گردن میں تھا

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا — ہائے اُس فہم غلط اب تک میں دور افتادہ تھا
توڑنا مینائے مے کا دلشکن کیوں کر نہ ہو — محتسب کو کیا ہوا تھا میں تو مست بادہ تھا
دل کہاں تھا جذبۂ دل میں جو کرتا اعتماد — میں تو کیا دل سوختہ دل باختہ دل دادہ تھا

بیقراری نے کئے تھے جگر و دل یک جا — بہرہ ور دونوں ہوں کر جب صلۂ تیر یہ تھا

عشق کیا کیا نسبتیں کرتا ہے پیدا حسن سے — زلف اگر شب رنگ تھی نالہ مرا شبگیر تھا
ظاہر و مظہر اگر باہم نہیں ملتے حسن و عشق — بلبلیں تکیں نوا کیوں غنچہ کیوں دلگیر تھا
حق ہو یا ناحق کہا تم نے ہوا بدنام میں — اب تو ثابت ہو گیا منصور بے تقصیر تھا

ہم تو ڈرتے تھے کہ ہر حکم قضا نے بھیجا — بارے اے بت ترے کوچے میں خدا نے بھیجا
تیرے کوچے میں جسے ہو ہوس حور و قصور — کس جہنم میں اسے حرص و ہوا نے بھیجا
آسی نامہ سیہ لائق دوزخ بھی نہ تھا — خلد میں الفت شاہ شہدا نے بھیجا

جان دشمن کی ہے مہمان ستاتے کیوں ہو — آپ رنجے ہوئے آئے ہیں رُلاتے کیوں ہو

تم نہیں کوئی تو سب میں نظر آتے کیوں ہو — سب تمہیں تم ہو تو پھر منہ کو چھپاتے کیوں ہو
دل ملا مجھکو ازل میں تو کسی نے نہ کہا — روگ ہی یہ ہے تو چھاتی سے لگاتے کیوں ہو
ہم پہ بیزار ہو وعدہ تو پری زاد نہیں — آپ اُڑتے ہو اُڑو بات اڑاتے کیوں ہو
جب نہیں غیر کو دیدار دکھانا منظور — صفتِ پردۂ در ہم کو اٹھاتے کیوں ہو

اس طرح درد سے لبریز جو تقریر نہ ہو
سخنِ آسیؔ شیدا غزلِ میرؔ نہ ہو

قید خانہ میں کوئی غیرتِ یوسف بھی رہے
دل اُکتا جائے نہ ہو پاؤں میں زنجیر نہ ہو

جس کو دیکھا اسے چھاتی سے لگائے دیکھا
دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

کارسازا! یہی آسیؔ کی دعا ہے تجھ سے
کام میرا کوئی منت کشِ تدبیر نہ ہو

خوشبو وہی رنگت وہی مستی بھی اسی کی — کعبے میں بھی در بستہ میخانۂ دل تھا

اسرار تیرے معارِ انوار تھے جس میں　　مسجد تھی نہ کعبہ وہ نہاں کعبۂ دل تھا

جو پتھر آ کے سر میں لگا لالہ گوں ہوا　　ہر داغ گل فروشِ بہارِ جنوں ہوا
فرہاد میری راہ طلب کی صعوبتیں　　ایک ایک سنگریزہ یہاں بے ستوں ہوا
بے قیدیاں پڑی تھیں تجھے لامکاں کی　　کیوں زیر بارِ منتِ سقف و ستوں ہوا

مرا دلیست بہ کفر آشنا کہ چندیں بار　　بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردند

(چندر بھان برہمن)

اس شعر سے متعلق لطیفہ مشہور ہے۔ چندر بھان برہمن دارا شکوہ کا معتمد خاص تھا داراشکوہ نے شاہ جہاں سے بہت تعریف کے ساتھ تعارف کرایا۔ شاہ جہاں کی فرمائش پر اس نے اپنا یہ شعر پڑھا۔ شاہ جہاں چیں بہ جبیں ہوا اور علامی سعداللہ خاں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے برجستہ یہ شعر پڑھا:-

خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ رود　　باز آید ہنوز خر باشد

بے چارہ چندر بھان بہت خفیف ہوا۔

کوئی دشمن ہو آسی یا مرا دوست — میں سب کا دوست کیا دشمن ہو کیا دوست
فقیروں کا بنا لو بھیس آسی — وہ شاہنشاہِ خوباں ہے گدا دوست

وہاں پہونچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد — کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا — کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بارِ عام کے بعد
گناہ گار کی سن لو تو صاف صاف ہے یہ
کہ لطف و رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد
طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو — لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا — سبو و خم کی بھی ٹھہرے گی دورِ جام کے بعد
الٰہی آسی بے تاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روزِ قیامت لکھا ہے نام کے بعد

نہیں اپنے گناہوں کا مجھے غم — میں آسی ہوں گنہ گارِ محمد

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں
کسی کو لوٹا ثواب ہو کر کسی کو مارا عذاب ہو کر

بلندی اس کی اسی کی پستی ہر ایک شے میں اسکی ہستی
عروج اسی کا رسول ہو کر، نزول اسی کا کتاب ہو کر

غضب جو محشر میں بھیڑ کی ہے، وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسی کے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہو کر

شناخت اس کی ہے سہل کیونکر کہ جب نہ تب بھی اک نیا ہے
وہ دنکو خورشید ہو کے نکلے تو رات کو ماہتاب ہو کر

میں دل سے اس شیخ کا ہوں قائل جو میکدے میں پڑھے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

فراق میں اس قدر نہ تڑپو ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر — کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر
کسی نے لی رہ کعبہ کوئی گیا سوئے دیر — پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر
گناہ گار ہوں میں واعظو تمہیں کیا فکر — مرا معاملہ چھوڑو شفیع محشر پر
پلا دے آج کہ مرتے ہیں رند اے ساقی — ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو آب کوثر پر

اخیر وقت ہی آسی چلو مدینے کو	نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پر

دہی جو مستوی عرش ہی خدا ہو کر	اتر پڑا ہی مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال	مگر تمہیں نظر آتے ہو ما سوا ہو کر

اول شعر پر لوگ معترض ہیں۔ لیکن اعتراض کا جواب مصرع اولیٰ میں موجود ہے۔ یعنی مستوی عرش ہے نہ کہ مستوی عرش تھا۔ مدینہ میں اترنا بہ اعتبار نزول صفات کے ہے جیسے آفتاب آئینہ میں اترتا ہے۔

ایک عالم ہی کہ مقتل میں ہی قاتل کیطرف	دھار خنجر کی فقط عاشق بے دل کیطرف
اس سے مانگا کبھی اگر کچھ تو اسی کو مانگا	دیکھنا حوصلہ و ہمت سائل کیطرف
نسبت شرک بجز تہمت بے جا کیا ہی	دل ہی جب اس کی طرف رخ ہی مقابل کیطرف
ترک دنیا تو ہی دنیا طلبی سے آساں	چھوڑ کر سہل عبث جاتے ہیں مشکل کیطرف

کون اس گھاٹ سے اترا کہ جناب آسی
بوسہ لینے کو جھکے ہیں لب ساحل کیطرف

ظاہر میں تو ہیں مگر نہیں ہم	دریا کے رواں نہوں کہیں ہم

پچھم تھے ہلال بدرپور ب ۔۔۔ ہرسمت نظر پڑے ہیں ہم
اللہ رے نور سجدۂ شوق ۔۔۔ مہ رو تم ہو تو مہ جبیں ہم
کہتے ہیں کہ ہم کو کس نے ڈھونڈا ۔۔۔ جو ڈھونڈھے جہاں ملیں ہم
بت خانہ و کعبہ کچھ نہ جانا آسی
کیا جانیں خلاف کفر و دیں ہم

تعجب ہے کہ تجھکو اپنے سینے میں نہ کیوں ڈھونڈا
کسی کو اپنی ہستی سے جو غفلت ہو تو ایسی ہو
جہاں ملنے کی ٹھہری مجھ سے میں بھی اے صنم گم ہوں
سوا تیرے نہ ہو کوئی جو خلوت ہو تو ایسی ہو
پکارا اس نے اپنا نام لیکر رات آسی کو
نہیں اب کچھ بھی غیرت محبت ہو تو ایسی ہو

تمہیں کثرت سے نفرت اور محو ذوق وحدت ہو
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو
نہ ستاری کا تو شرم آئی نہ غفاری کی غیرت ہو ۔۔۔ قیامت میں ترا بندہ ترے آگے نفضیحت ہو

مری نظروں میں تو ہو ڈھونڈتا تیری محبت ہو — نہ دنیا ہو نہ عقبیٰ ہو نہ دوزخ ہو نہ جنت ہو

سوا تیرے نہ مائل ہو کسی پر یہ طبیعت رہے
تری الفت ہو، تیرا عشق ہو، تیری محبت ہو

مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کردے بیگانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تیری صورت ہو

ہماری دید میں فہمید میں رہے ایسی یکرنگی
کہ صورت عین معنے اور معنی عین صورت ہو

ہمارے قتل کی نوبت اگر آجائے مقتل میں
الٰہی دست قاتل میں تری تیغ محبت ہو

کہیں اکسیر سے بڑھ کر ہے دولت خاکساری کی
جہاد نفس کا شاید یہی مال غنیمت ہو

جناب شیخ زہد خشک سے کیا کام نکلیگا
در پیر مغاں ہو اور دختِ رز کی صحبت ہو

ہو میل راہ ہدایت الف نہ پیچ میں جان — اشارہ ہے کہ سمجھ ایک لا و الا کو

بہار خلد ہے اندھوں کے واسطے شاید — کہ کچھ نظر نہیں آتا ہے چشم بینا کو
اگر قبول کرو جلوہ بے حجابانہ — دکھاؤں محشر ہنگامۂ تمنا کو
نبی بھی ہو تو نہ کچھ زور جذبۂ دل سے چلے — وصال حضرت یوسف ہوا زلیخا کو
اگرچہ وعدۂ فردا ہے بے خلاف ضرور — مگر وہ چاہے تو امروز کر دے فردا کو

کہتے ہو کہ غیر کو نہ چاہو — معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
ہاں واعظو اور کو نہ چاہو — اپنے دل سے تو آشنا ہو
ان سے ملنا ہو اسے مشکل — اے وہم عدو ترا برا ہو
ہمت ہے تو راہ مختصر ہے — اے تنگ طلب بس اللہ کھڑا ہو
اللہ رے لذت شفاعت — کیا جانو تم اس کو بے گنا ہو

غم دور کرو عیش کا سامان دکھادو — یا پیر مرے درد کا درمان دکھادو
کچھ طور سے سرمے کی ضرورت نہیں مجھکو — خاک قدم اپنی مری آنکھوں سے لگادو
سوتا ہو اسی نیند میں غافل ابھی آسی — اپنے قدم پاک کی ٹھوکر سے جگادو

١ جز فنا عشق میں تدبیر مقرر نہ ہوئی — زندگی موت سے آخر کبھی جانبر نہ ہوئی
زیست انساں کی تا روز قیامت معلوم — جان لب ساعت دیدار مقرر نہ ہوئی
غیر محجوب حجاب رخ محبوب نہ تھا — مجھ سے تدبیر علاج دل مضطر نہ ہوئی
وہ نہ تھا ہم سے جدا ہم بھی جدا اس سے نہ تھے — نہ ہوئی پھر جو ملاقات تو کیونکر نہ ہوئی
زندگی کا نہ ادا خاک ہوا حق آسی — جان جب خاک رہ آل پیمبر نہ ہوئی

نہ سنتے تم جو دشمن کی زبانی — بہت دل چسپ تھی میری کہانی
تسلی کل کے وعدے پر غضب تھی — غم عشق اور امید زندگانی
انا الحق اور مشت خاک منصور — ضرور اپنی حقیقت اس نے جانی
بھلا آسی کے شکووں کا گلا کیا
محبت کو ہے لازم بدگمانی

خوف دوزخ نہ حرص جنت کی — بے غرض میں نے تجھ سے الفت کی
واہ رے الفت اپنی امت کی — * مجھ سے بیکس کی بھی شفاعت کی
نہ کھلی کچھ حقیقت معراج — رہی پردے میں بات خلوت کی

خاکِ پاکِ علی ہوا اے دل، یہ ہوا اوجِ بامِ رفعت کی
پھر بھی ہم تم جدا جدا ٹھہرے وصل میں بھی ادا ہے فرقت کی
حشر میں کون پوچھتا ہے کسے قہر ہے دید خوب صورت کی

دردِ دل کتنا پسند آیا اسے میں نے جب کی آہ اس نے واہ کی
کھنچ گئے کنعاں سے یوسف مصر کو پوچھئے حضرت سے توقیر چاہ کی
بس سلوک اس کا ہی منزل اسکی ہے اس کے دل تک جس نے اپنی راہ کی
واعظو کیسا بتوں کا گھورنا کچھ خبر ہے ثَمَّ وَجْهُ اللّٰہ کی

راہِ حق کی ہے تلاش آسیؔ اگر
خاکِ رہ ہو مردِ حق آگاہ کی

واعظ مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ بندہ گناہگار وہ آمرزگار ہے
کثرت میں اور کیا ہے جو وحدت نہ مانئے ہر ایک ایک ہے سو یا ہزار ہے
مستی میں کوئی راز جو آسیؔ سے فاش ہو
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

وہ کیا ہے ترا جس میں جلوہ نہیں ہو　　نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہو
وہ دل کیا کہ دلبر کی صورت نہ پکڑے　　وہ مجنوں نہیں ہو جو لیلےٰ نہیں ہو
تری راہ میں کوئی کیونکر نہ سر دے　　یہ دینا تو لینا ہے دینا نہیں ہو

مجھکو ہنگامۂ محشر سے غرض　　بس تمنا ترے دیدار کی ہے
چار یارانِ نبی میں آسی (ق) تبعیت مجھے ہر یار کی ہے
طلبِ راہِ خدا میں لیکن　　پیروی حیدرِ کرار کی ہے

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہیئے
بات کہنے کی نہیں ہے بخدا کیا کہیئے

لالہ و گل میں اسی رشکِ چمن کی ہو بہار
باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہئے

ہم کہاں، ہم تو ہیں معدوم، مگر ہے کوئی
کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہئے

سب بدل سکتے ہیں یہ سمع و بصر ہوش و خرد

میری سُنتے نہیں میرے رفقا کیا کہئے

کعبہ جب گھر ہے تو بت خانہ میں ہونا کیسا
اس کو بے جا کہیں یا کہئے بجا کیا کہئے

ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے
اسے تکبیر ہی پھر اور اس کے سوا کیا کہئے

آسئی خاک نشیں ہے تو سیہ کار ضرور
سگِ درگاہِ رشیدی ہے بُرا کیا کہئے

(۵ قطب الاقطاب حضرت شیخ محمد رشید جونپوری صاحب مناظرہ رشیدیہ)

وصل ہے پھر دل میں اب تک ذوقِ غم پیچیدہ ہے
بلبلا ہو عین دریا میں، مگر نم دیدہ ہے

بے حجابی وہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
گھونگھٹ اس پر یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

دل کی وسعت وہ کہ نقطے سے بھی کم سات آسماں
جسم یہ لاغر خطِ وہمی سے بھی کاہیدہ ہے

دیکھیے کس چیز سے تشبیہ تیرے حسن کو
ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

دم بخود رہنے دو، کیوں رسوا ہو مجھکو چھیڑ کر
غیر دریا بلبلے میں اور کیا پوشیدہ ہے

اے بت خانوں میں سجدے ایک کعبے کے عوض
کفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا گردیدہ ہے

آدمی کی سرکشی غفلت ہے اپنی اصل سے
ذوقِ سجدہ قطرۂ افتادہ میں پیچیدہ ہے

حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے
آسی گستاخ کا ہر جرم نابخشیدہ ہے

کچھ کہوں، کہنا جو میرا کیجیے — چاہنے والے کو چاہا کیجیے
حوصلہ تیغِ جفا کا رہ نہ جائے — آئیے خونِ تمنا کیجیے
فتنۂ روزِ قیامت ہے وہ چال — آج وہ آتے ہیں؟ دیکھا کیجیے
کس کو دیکھا ان کی صورت دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ سجدا کیجیے

فتنے سب برپا کئے ہیں حسن نے — میری الفت کو نہ رسوا کیجئے
ہو مسلم وسعتِ ذوقِ نظر — قطرے میں حباب سیرِ دریا کیجئے
حورِ جنت ان سے کچھ بڑھ کر سہی — ایک دل کیا کیا تمنا کیجئے
جوش میں آ جائے رحمت کی طرح — ایک اک قطرہ کو دریا کیجئے
نام اگر درکار ہے مثلِ نگیں — ایک گھر میں جم کے بیٹھا کیجئے
مل چکے اب ملنے والے خاک میں — قبر پر جا جا کے رویا کیجئے
کون تھا کل باعثِ بے پردگی — آپ مجھ سے آج پردا کیجئے
ایک وصل ان کا وہ قسمت میں نہیں — اور کس شے کی تمنا کیجئے

راہ تکتے تکتے آسی چل بسا
کیوں کسی سے آپ وعدہ کیجئے

قبر پر بیٹھ کے روؤ گے نہ پاؤ گے جواب — پھر کے آنے نہیں جان سے جانے والے
صورتِ نقشِ قدم بیٹھے ہیں کوچے میں ترے — دیکھیں کس طرح اٹھاتے ہیں اٹھانے والے

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ :-

سعدیا راستی ز خلق مجوے   چون تو در نفس خود نمی یابے
جائے گریہ است بر شیبت پیر   چون تو کودک ہنوز لعابے
با ہمہ عیب خویشتن ہمہ روز   در تکاپوئے عیب اصحابے
گر ہمہ علم عالمت باشد   بے عمل مدعی و کذابے
پیش مردانِ آفتاب صفت   با ضافت چہ کرم شب تابے
پیر گشتی و رہ نہ دانستی   تو نہ پیری کہ طفل کتابے

کے دعائے تو مستجاب شود
کہ ہمیگردی در دو محرابے

یارب از جنس ما چہ خیر آید   تو کرم کن کہ رب اربابی
غیب دان و لطیف و بے چونی   ستر پوش و کریم و توابی

بدان را نیک داری مرد ہشیار   کہ نیکان خود بزرگ و نیک روزند

خداوند تبارک و تعالیٰ می بیند و می پوشد و ہمسایہ نمی بیند و می خروشد ۔

نعوذ بالله اگر خلق غیبدان بودی　　کسی بحال خود از دست کس نیاسودی

ضعیفان را مکن بر دل گزندی　　که درمانی بجور زورمندی

نه رود مرغ سوی دانه فراز　　چون دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگران　　تا نگیرند دیگران بتو پند

ندهد مرد هوشمند جواب　　مگر آنکه کزو سوال کنند
گرچه بر حق بود فراخ سخن　　حمل دعویش بر محال کنند

مشو غره بر حسن گفتار خویش　　بتحسین نادان و پندار خویش

علم چندانکه بیشتر خوانی　　چو عمل در تو نیست نادانی
نه محقق بود نه دانشمند　　چارپایی برو کتابی چند

کریماں را بدست اندر درم نیست　　خداوندان نعمت را کرم نیست

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی بان
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتی بان

اصحاب کہف یہ دعا مانگا کرتے تھے

اَهیا شَراهیا ادونائی اَصبَاوت اَل شدّائی

(از زبان سریانی)

ترجمہ

خدایا۔ اے قدوس۔ حاجت روا۔ فریادوں کا سننے والا۔ بہت بڑا طاقت ور ۔

حضرت آسی :-

یکہیں کے بادہ پرست ہم، نہ ہمیں یہ کیف شراب ہے
لب یار چومے تھے خواب میں وہی جوش مستی خواب ہے

وہی بزم چشم ہو ہر نظر، مگر اب بھی شوق نقاب ہے

وہی میری ہر رگ و پے میں ہے، مگر اب بھی مجھ سے حجاب ہے

اگر آنکھ کھولو تو کچھ نہیں، اثرِ وجود بجز فنا!
ہے سوادِ ہستیٔ بے بقا کہ بیاضِ چشمِ حباب ہے

کوئی گل نہیں کہ نہ جس میں ہو مرے گل کی نکہتِ جانفزا
مرے مست کرنے کو پھول بھی تو چمن میں بادۂ ناب ہے

کبھی دل میں بھی تجھے غور ہے کہ نظارے کا یہی طور ہے
یہ سمجھ تری کہ وہ اور ہے، یہی منہ پہ اس کے نقاب ہے

دلِ عندلیب یہ شوق نہیں، گل و لالہ کے یہ ورق نہیں
مرے عشق کا وہ رسالہ ہے ترے حسن کی یہ کتاب ہے

جو حجاب تھا وہ اٹھا مگر کہ وہ دل میں اب ہوئے جلوہ گر
مرے گھر میں بارے کیا گزر یہ خیال کہیے کہ خواب ہے

کہیں پوچھ ہی اٹھے وہ صنم کوئی دم کٹا ہے بغیر غم؟
وہ محاسبے میں ہے دمبدم جسے خوفِ روزِ حساب ہے

پئے ترکِ شاہدِ مے ابھی کروں استخارہ میں کس طرح
وہ جو خاکِ پاک کی سبحہ تھی وہ رہینِ جامِ شراب ہے

وہ ہزار آسی زار سے ملیں لطف و رحم کو پیار سے
مگر اپنے دل میں نہ دیں گے گھر کہ وہ ایک خانہ خراب ہے

میری آنکھیں اور دیدار آپکا یا قیامت آ گئی یا خواب ہے
کچھ نہیں ہوتا ہے جبتک کچھ نہ ہو یہ طلسم عالم اسباب ہے
چوٹ کھائی تم نے لے آسی کہیں
کچھ نہ کچھ دل آج لذت یاب ہے

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
کسی نے بھی نہ دیکھا ہم کہاں تھے بدن تھی خلق ہم اندر جاں تھے
عیاں ایسے کہ ہر شے میں نہاں تھے نہاں ایسے کہ ہر شے میں عیاں تھے
بسان اُلہ سر کھینچا ہے باہر ہم اہل درد کے دل میں نہاں تھے
رہے رستے ہی میں قدموں سے چھٹ کر مگر ہم نقش پائے رفتگاں تھے
جب اس کوچہ کی تھی حاصل گدائی خداوند زمین و آسماں تھے
کچھ ایسے نشۂ ہستی سے بہکے نہیں جانا کہاں آئے کہاں تھے

سراپا درد تھے مانند دل ہم — مرض تھے پر نصیب دوستاں تھے
بہار باغ ہستی تھی ہمیں سے — نظر سے گو بہ رنگ بو نہاں تھے
عیاں ایسے کہ تھے سب سے نہاں ہم — نہاں ایسے کہ ہر شے سے عیاں تھے
نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق — عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے
اٹھے ہم اٹھ گیا پردہ دوئی کا — ہمارے اس کے بس ہم درمیاں تھے

مرے پہلو میں کل گو بیٹھے آسی
مگر جب تک تھے مثل دل تپاں تھے

انہیں کانوں سے انا الحق کے سنے ہیں جو ہم — آدمی عشق میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے
غیر کو غیر جو کہیئے تو غلط ثابت ہو — اور یہ کہیئے کہ وہی ہے تو خفا ہوتا ہے
سوئے منصور انا الحق کی غلط نسبت تھی — کوئی کہدے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے
دل جو تھا خاص گھر اس کا نہ بنایا افسوس — مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے
امتیاز من و تو کچھ بھی تو باقی رہتا — بادۂ جلوہ غضب ہوش ربا ہوتا ہے
دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے — قطرہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے
محو و اثبات کے جھگڑے میں پھنسا کر ہمکو — دیکھیں کب لطف ترا عقدہ کشا ہوتا ہے

بے حجابی ہے پسند انکو ابھی کل کی ہے بات — آج پردے میں ہیں یا پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
ابھی دیکھا نہیں اسپر تو یہ بیتابی ہے — دیکھئے دیکھ کے کیا حال مرا ہوتا ہے
پھر گئے خلد کو آدم مگر ابلیس تو جائے — نہ برا سوچ کسی کا کہ برا ہوتا ہے

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہی دل آئینۂ روئے خدا ہوتا ہے

زخم دل ہم دکھا نہیں سکتے — دل کسی کا دکھا نہیں سکتے
ہاں وہ صورت دکھا نہیں سکتے — کیا صدا بھی سنا نہیں سکتے
وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا — جس کو ہم آزما نہیں سکتے
لذت اک گونہ چاہیئے ہم کو — کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے

پالے کی طرح شعلۂ غم لے کے اڑ گیا — ڈھونڈھو گے بھی تو پاؤگے اب تم کہاں مجھے
صبر و قرار ہوش و خرد کس کو رویئے — پامال کر رہا ہے غم رائگاں مجھے
لائی عدم سے بھی چلی جانب عدم — کیسی رفیق راہ ہے عمر رواں مجھے
آسی شہید عشق ہوں مردہ نہ جانیو — مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

پھر مزاج اس رند کا کیونکر ملے — جسکو اس کے ہاتھ سے ساغر ملے
یہ بھی ملتا ہے کہ بعد از صد تلاش — حد وہم و فہم کے باہر ملے
ظاہر و مظہر میں فرق ایسا نہیں — پیر ہاتھ آیا تو پیغمبر ملے
کس قدر ٹھہرا بلند ان کا مقام — مل گیا مولا جسے حیدر ملے

آسی گریاں ملا محبوب سے
گل سے شبنم رو کے جس طرح ملے

ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ — دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گذر ہے
پہونچوگے اسی کوچے جس راہ سے گزرو — جو راہ ہے اس کوچہ کی بے خوف و خطر ہے
انجام کی منزل ہے کڑی دیکھئے کیا ہو — دنیا میں جو آئے ہو یہ آغاز سفر ہے
سُنتے ہیں کہ ہر سمت نظارہ ہے اسی کا — جو آگے نہ پیچھے نہ ادھر ہے نہ ادھر ہے

شمشاد سے آسی کے عجب رنگ سُنے ہیں — اپنی نہ خبر کچھ نہ پرائے کی خبر ہے
لغزش ہوئی جب حضرت آدم سے نبی کو
آسی کو بُرا کیوں کہو وہ بھی تو بشر ہے

غش نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ دیکھیے ۔۔۔ میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوہ دیکھیے

نور و ظلمت جو ہے سب میں ایک جلوہ آ کے دیکھیے ۔۔۔ رنگ و بیرنگی میں سب میں رنگ پیدا دیکھیے

کی نظر جس نے مرے باطن میں تو ظاہر ہوا ۔۔۔ وہ بھی قطرہ ہو نہ جس قطرہ میں دریا دیکھیے

آفتاب رخ لیلیٰ جلوہ گر ذروں میں ہے ۔۔۔ چشم مجنوں سے جو موج ریگ صحرا دیکھیے

میں تصور سے اٹھا دیتا ہوں پردہ بیچ کا ۔۔۔ ہجر کی شب آپ بھی میرا آئینا دیکھیے

دیکھیے قابل ہی ہر لالہ و گل سے بہار ۔۔۔ کچھ نظر آتا نہیں تیرے سوا کیا دیکھیے

خاک میں مل کر بھی آنکھیں بند ہو سکتیں نہیں ۔۔۔ راہ تیری صورت نقش کف پا دیکھیے

خاک ہو کر بھی نہ چھوڑیں گے دامن محبوب ہم ۔۔۔ دست مجنوں دیکھیے دامان صحرا دیکھیے

آپ سے جو پردہ افلاک سے چھپتا نہ تھا ۔۔۔ ہم نے سینے میں چھپا رکھا وہ جلوہ دیکھیے

مجھج پھرکت ہیں تورے ملن کو سرون سسن کو بین
من مالا تورے نام کا جپت رہت دن رین

(لا اعلم)

من ماں راکھوں من جرے تو تو کہہ جر جائے
گونگے کا سپنا بھئو سمجھ سمجھ پچھتائے ″

ہم تم سامی ایک ہیں کہت سُنن کو دوئے   من کو من سے تولئے تو دو من کبھی نہ ہوئے

کاجر دوں تو کرکرے مُہرا دیا نہ جائے   جن نینن ماں پیا بست ہیں دوجا کون سمائے

نین رکت پاتی لکھوں جو بس ہوئے ہمار   اچھر بن کاگد چڑھوں دیکھوں درس تہار

من چاہوں کہ اڑ ملوں اور پر بن اڑا نہ جائے   کا کہوں کرتار کو جو پر نا دیا لگائے

آؤ پیارے درگن میں نین موند توہے لوں   نا میں دیکھوں اور کو نا توہے دیکھن دوں

ادس ادس سب کو دکھ آنسو کہے نہ کوئے   ہمی برہن کے سوگ میں رین رہی ہے روئے

گئو پنگھی بن مان دیکھ کے کیسی بوجھی بات   برہنی ڈوبی رکت میں اور سین جات ترات

داگ کٹھن سب داگ ہیں برہ داگ بیراگ   تن دھر نیکی ٹھور نہیں اور اپنے داگ پر داگ

اٹھا بگولا پریم کا اور تنکا چڑھا اکاس ۔ تن کا تھا سو تن میں ملا اور تنکا تن کے پاس

سائیں بھروسا جان کے پاپ کیا بھرموٹ ۔ جیسے نار گکرم کرے اور چھپے پیا کے اوٹ

لا اعلم

کَفَاکُمُوا مِنْ عَظِیْمِ الْقَدْرِ اَنَّکُمُوا

مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ (امام شافعی)

تمہاری عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود نہ بھیجے اس کی عبادت ہی نہیں ہوتی ۔ یہ اہل بیت کے متعلق اور ان کو مخاطب کرکے امام شافعی نے لکھا ہے التحیات میں امام شافعی کے نزدیک درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۔ ان کے نزدیک درود واجبات سے ہے ۔ مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب نہیں ہے ۔ گو ضروری ہے +

حضرت آسی :-

گئی جوانی اب آئی پیری نخست رز سے دل آشنا کر

عوض میں نشہ کے تل رہا ہے خمار آنکھوں میں تیری آکر

بتوں کا بندہ رہے گا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر

نہیں اب ایام خواب غفلت خیال اپنی مآل کا کر

اتر گیا نشۂ جوانی تو لطف کیا جام سے چڑھا کر

بتوں کا بندہ رہے گا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر

مزا ہے الفت پرستیوں کا خدا پرستی یہاں کہاں ہے

تری نماز و عبادت اے دل حرم کے طاقوں میں لا اٹکاں ہے

جو ہو سکے تو قضائے عمری اس ایک سجدے میں سب ادا کر

نہ ہو یہ منت کش اقامت نہ اس کو کچھ حاجت اذاں ہے

حضور دل سے جو ہوا ادا تو نماز اس ڈھب کی پھر کہاں ہے

فنا ہے سب کا نشان اک دن ہے نام باقی بس اک خدا کا

غبار برباد سب کے سب ہیں چلا قضا کا جو کوئی جھونکا

اگر نہ ہو شبہ کسی کو اس میں تو ہائے مجھکو بتا دو اتنا

کہاں ہیں جم اور کہاں سکندر کہاں سلیماں کہاں ہے دارا

کہاں ہے مجنوں کہاں ہے لیلےٰ کہاں ہے وامق کہاں ہے عذرا

کہاں ہے جم اور کہاں سکندر کہاں سلیماں کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

اپنی روش ہے حسن پرستی		مذہب کیسا ملت کیسی
مومن ہیں ہیں ہم نہ ہندو ہیں

لقد رضی اللہ عنہ ۔ حضرت آسی کی تاریخ وفات ۔

۱۳ ... ۳۵
شد جہاں بے او بچشم من سیاہ		محو ذات اسد حسلیم پاکباز
۱۳۴۲ - ۷ = ۱۳۳۵
مولوی محمد احمد صاحب ایمن ۔

شاہ شاہد علی صاحب سبز پوش سجادہ خانقاہ رشیدیہ جونپور خلیفہ و جانشین حضرت آسی نے ذیل کی آیت کریمہ سے تاریخ نکالی ۔ یہ تینوں تاریخ وفات لاجواب ہیں ۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ، وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝
اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ

۱۳۳۵

آخری سطر سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی وکرامت اسی سے ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ سے ان کی تاریخ وفات نکلی جس میں یہ خوش خبری دی گئی ہے جو لوگ اللہ کے لیے جان دیتے ہیں وہ مرتے نہیں اور اللہ ایسے لوگوں پر صلات ورحمت نازل کرتا ہے۔ سبحان اللہ حضرت آسی کا کیا مقام تھا۔ ایک بار ان کی وفات کے بعد ایک بزرگ سیاح نے مجھ سے کہا تھا ایک دوسرے بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے کہ فلاں بزرگ عاشق خدا ہیں لیکن حضرت آسی پر خدا عاشق تھا۔

اس تاریخ کے متعلق ایک بات بتلا دینی ہے "اولٰئک" کا ہمزہ اعداد میں شمار کیا گیا ہے۔ ہمزہ کا ایک عدد چاہے لیا جائے یا نہ لیا جائے پھر بھی تاریخ صحیح باقی رہتی ہے۔ اس لیے کہ کتابت قرآنی اس آیت کریمہ میں صلوات کے لفظ میں الف کے ساتھ اور بغیر الف کے دونوں طرح سے وارد ہے۔ اگر اُلٰئک کے ہمزہ کا ایک عدد لیتے ہیں تو "صلوٰتٌ" کا لفظ بغیر الف کے لکھا جائیگا۔ اور اگر ہمزہ کا عدد نہ لیا جائے تو صلوت میں واؤ کے بعد الف لکھا جائے گا۔

رباعیات آسی

توقیر بغیر جستجو ملتی ہے
ذلت گردش میں چار سو ملتی ہے
موتی سی یہ بات ہو کہ موتی کی طرح
کنج عزلت میں آبرو ملتی ہے

اک عمر رہ طلب میں چکر کھایا
آخر دل میں سراغ اس کا پایا
دل میں دیکھا تو آئینہ کی صورت
جز اپنے کوئی نظر نہ مجھکو آیا

ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہم کو
آرام سے سوتے تھے جگایا ہم کو
پھونکی نہیں روح قالب خاکی میں
در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو

کیا حسرت دید ہے خدایا ہم کو
مانند نظر جس نے پھرایا ہم کو
کہتا ہے کہ میں نور نظر تیرا ہوں
یوں ہی سہی پر نظر نہ آیا ہم کو

جن سے بہ لباس سم کی وہ رہزن نکلے
بھولا جنھیں سمجھے تھے وہ پُرفن نکلے
جان اپنی جن احباب کو ہم سمجھے آہ
وہ دل کی طرح ہمارے دشمن نکلے

پھر بادۂ تند غم پینا ہوگا — پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں مار ڈالا آسی — سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

دعویٰ وفا میں کوئی سچا نہ ملا — جو کوئی ملا غرض سے گویا نہ ملا
دشمن سے بھی کی اپنی محبت میں نے — پر کوئی مرا چاہنے والا نہ ملا

کامل جو ہوئی طلب تو کیا کیا نہ ملا — کیوں کوئی کہے کسی کو ڈھونڈا نہ ملا
میں ہوں کہ جو کوئی ڈھونڈے پہلو میں ہوں — پر کوئی مجھے ڈھونڈنے والا نہ ملا

کیا نیستی ہست نما کی ہستی — دھوکے سے بھری ہے ماسوا کی ہستی
آسی اس دھوکے میں نہ آنا ہرگز — ہستی ہے تو بس خدا کی ہستی

وحدت جسے کہتے ہیں وہی کثرت ہے — کثرت جسے سمجھے ہو وہی وحدت ہے
واصل ہے نہ موصول نہ گنجائش وصل — محفل ہے نہ خلوت ہے عجب صحبت ہے

سراپا ناز بے نیازی تیری — سامان مراد چارہ سازی تیری
دل ساویران گھر بسایا تو نے — اللہ اللہ دلنوازی تیری

میت پہ میری کوئی رو جاتا ہے — کوئی یہ کہہ کے ہوش کھو جاتا ہے
جاگو جاگو لگی سواری در پر — چلنے کو جو کہتا ہوں وہ سو جاتا ہے

نیکی کرتا ہوں میں بدل سے پیہم — پہونچے جو ستم کوئی تو سمجھوں ہیں کرم
آنکھیں قدموں تلے بچھاؤں آسی — پامال اگر ہوں صورت نقش قدم

بنام جہاں دار جاں آفریں — حکیم سخن در زباں آفریں
خداوند بخشندهٔ دستگیر — کریم خطابخش پوزش پذیر
عزیزے که هرگز درش سر بتافت — بهر در که شد هیچ عزت نیافت
سر پادشاهان گردن فراز — بدرگاه او بر زمین نیاز
نه گردن کشان را بگیرد بفور — نه عذر آوران را براند بجور
وگر خشم گیرد بکردار زشت — چو باز آمدی ماجرا در نوشت

دگر با پدر جنگ جوید کسی ۔۔۔ پدر بے گماں خشم گیرد بسی
دگر خویش راضی نباشد ز خویش ۔۔۔ چو بیگانگانش براند ز پیش
دگر بندہ چابک نیاید بہ کار ۔۔۔ عزیزش ندارد خداوندگار

(سعدی)

یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی غالب کفو ۔۔۔ یا مساوات کا اسلام کی پھیلا یہ اثر
بارگاہ نبوی کے جو موذن تھے بلال ۔۔۔ کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں ۔۔۔ جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
میں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں ۔۔۔ یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں مال و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے ۔۔۔ ہے کوئی جسکو نہو میری قرابت سے حذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور ۔۔۔ جسطرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہد فاروق میں جسدم کہ ہوئی انکی وفات ۔۔۔ یہ کہا حضرت فاروق نے با دیدۂ تر

اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا!
اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر (شبلی)

میر میں میر وہی ہے جو امیر ہوتے پہ غرور کرے نا!
پیر میں پیر وہی ہے جو فقیر ہوئے پہ سوال کرے نا!

تعریف اسی تروار کی ہو جو دھار پہ اپنو دہرے نا مرے ٹا
مرد میں مرد وہی ہے بھلو جو کہے سو کرے جو کرے سو کہے نا

لاعلم

سوال شاعر — آگ لگی ہے برکش کو، جلنے لاگے پات
تو کیوں جلے ہو پنکھیا پنکھ ہیں تیرے پاس
جواب طائر — پھل کھائے اس برکش کے گندے کینے پات
اب ہے میرا دھرم یہ، جر جاؤں یہ ساتھ (رحمن)

مین کاٹ جل دھوئیے کہائے ادھک پیاس — رحمن پریت سراہیئے موئے میت کی آس

رحمن پانی راکھیو، بن پانی سب سون — پانی گئے نہ اوبرے موتی مانس چون

من موتی، اور دودھ رس، کے یہی سبھاؤ
پھاٹے سے پھر نا ملیں، کوٹن کرو اُپاؤ

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں
اب لفظ یہاں سب ختم ہوئے اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا اب عشق کا کچھ پیغام نہیں
آتا ہے جو بزمِ جاناں میں پندارِ خودی کو توڑ کے آ
اے ہوش و خرد کے دیوانے یاں ہوش و خرد کا کام نہیں
زاہد ترے ان سجدوں کے عوض سب کچھ ہو مبارک تجھکو مگر
وہ سجدہ یہاں ہے کفرِ جبیں جو سجدہ کے خود انعام نہیں
(جگر)

اقبال کی خواہاں فطرت ادبار کا حامی کون کرے
احساس خودی بیدار ہے اب در در کی سلامی کون کرے
فرعون کا استکبار کہاں اب روس میں دورِ زار کہاں
خالق ہی کا سجدہ مشکل ہے بندوں کی غلامی کون کرے

کشمکش

نالہ کروں تو صبر و سکوں کے خلاف ہو گر چپ ہوں تو جوشِ جنوں کے خلاف ہو
آنکھوں کو چپکے چپکے یہ سمجھا رہا ہوں میں ایسا نہ ہو کہ رازِ درُوں کے خلاف ہو
افسونِ عشق، سحر نظر آ رہا ہوں میں سائنس گرچہ سحر و فسوں کے خلاف ہو
قاتل نہ شرمسار ہو گمنام حشر میں کہنا وہی جو دعویٰ خوں کے خلاف ہو

آنکھیں کہیں کہ دل نے کیا ہے مجھے خراب
اور دل یہ کہے کہ آنکھوں نے مجھکو مٹا دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہیں اے دردِ عشق بس!
دونوں کی ضد نے خاک میں مجھکو ملا دیا

سلام

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کارگاہ دنیا میں — کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آکے چلے
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو — کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

انیسؔ دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

سلام

مرا رازِ دل آشکارا نہیں — وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ گل ہوں جدا اس سے ہے جسکا رنگ — وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ پانی ہوں شیریں نہیں جسمیں شور — وہ آتش ہوں جسمیں شرارا نہیں
بہت زال دنیا نے کی بازیاں — میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں
فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا — امیروں کا یاں تک گذارا نہیں
سکندر کی خاطر بھی ہے سدِ باب — جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں
گئے پہنے نعلین واں مصطفےٰ — فرشتے کا جس جا گذارا نہیں

جہنم سے ہم بے قرار دل کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں
پھرے دست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں
گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسین
فرس سے کسی نے اتارا نہیں
ترے صبر کے میں فدا یا حسین
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں
کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروس سخن کو سنوارا نہیں

یہ موجودہ طریقے راہیِ ملکِ عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے
نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے
نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجبِ روئے صنم ہونگے
بدل جائیگا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہونگے
نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق خط اسطرح سے زیبِ رقم ہونگے
خبر دیتی ہے تبدیلِ ہوا تحریکِ موسم کی
کھلینگے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے
عقائد پر قیامت ڈھائیگی ترمیمِ ملت کی
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے
بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال و سم ہونگے
(اکبر الہ آبادی)

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے   کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

اکبر

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

سید کی لوح تربت پر

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے
محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اب نہ آئیں، اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پرواہ تجھے
بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے
ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم
پاک رکھ اپنی زباں تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو
سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

(اقبال)

منتخب اشعار؛ اقول؛
حکمت عمری